أنا العاقب والعاقب الذي ليس بعده نبي ﷺ

لا نبی بعدی ز احسانِ خدا است

پردۂ ناموسِ دینِ مصطفیٰ ﷺ است

فدایانِ ختمِ نبوت کا ترجمان

محرم 1431ھ

جنوری 2010ء

حضرت علامہ حافظ خادم حسین رضوی

تعارف العاقب

پانچ سال قبل کراچی کے احباب نے حضرت صوفی ایاز خان نیازی کی سرپرستی میں ایک مجلے کے اجراء کا فیصلہ کیا۔ مجلے کے نام کو حدیث خاتم النبیین ﷺ انا العاقب العاقب الذی لیس بعدہ نبی ﷺ سے استخراج کر کے ''العاقب'' مقرر کیا۔ لیکن اللہ رب العزت کو کچھ اور ہی منظور تھا احباب کراچی تو اس مجلے کا اجراء نہ کر سکے اور یہ توفیق اہل لاہور کو نصیب ہوئی۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ۔

مجلہ العاقب کی انتظامی ٹیم کی قیادت و سرپرستی استاذ العلماء حضرت علامہ حافظ خادم حسین رضوی فرما رہے ہیں۔ حضرت استاذ العلماء اس وقت فدایان ختم نبوت پاکستان کے مرکزی امیر بھی ہیں۔ علمی و تحقیقی میدان میں آپ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے شیخ الحدیث اور کئی کتب کے مصنف ہیں۔

مجلہ ''العاقب'' نسل نو میں اسلامی صحافت کے فروغ کا علم لیے میدان عمل میں حاضر خدمت ہے۔ ان شاء اللہ ''العاقب'' سنی صحافت میں غفلت سے بیداری کی جانب توانا قدم ثابت ہوگا۔ رسالے کی پیشانی پر جن ستاروں کے نام چمک رہے ہیں یہ درخشندہ ماضی کی ادنی جھلک ہے ورنہ تفصیل کہاں ممکن؟......

''العاقب'' کی پوری ٹیم کا عزم صمیم ہے کہ اس میں شائع ہونے والی تحریریں حتی الامکان بامقصد و بامعنی اور اشتہارات معیاری ہوں۔ تاہم مجلے کی مزید بہتری کے لیے آپ کی مثبت تنقید و تائید کا شدت سے انتظار رہے گا۔

ادارہ ''العاقب''

بیاد

امام المجاہدین: حضرت علامہ محمد فضل حق خیرآبادی
مجاہد تحریک آزادی: حضرت مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی
مجاہد اعظم: حضرت مولانا سید کفایت علی کافی
عارف کامل: حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری
سیف بے نیام: حضرت مولانا فضل احمد لدھیانوی
مجدد دین و ملت: حضرت مولانا امام احمد رضا خان بریلوی
قاطع مرزائیت: حضرت پیر مولانا سید مہر علی شاہ گولڑوی
زبدۃ الاصفیاء: حضرت خواجہ محمد سلطان عالم نقشبندی
امیر ملت: حضرت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری
شیخ الاسلام: حضرت علامہ انوار اللہ خان چشتی
مجاہد اسلام: حضرت علامہ خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی
سحبان زمان: حضرت علامہ محمد حسن فیضی
مناظر اسلام: حضرت مولانا نواب الدین رمداسی
محدث اعظم پاکستان: حضرت مولانا محمد سردار احمد چشتی قادری
مجاہد ختم نبوت: حضرت مولانا پروفیسر محمد الیاس برنی
فاتح مرزائیت: حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر
قائد تحریک ختم نبوت: حضرت مولانا ابوالحسنات قادری
حافظ الحدیث: حضرت مولانا پیر سید جلال الدین شاہ
شاعر مشرق: حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال
عاشق رسول ﷺ: حضرت غازی علم الدین شہید
قائد تحریک پاکستان: حضرت مولانا شاہ عبدالحامد قادری بدایونی
قائد اہل سنت: حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی
غزالی زماں: حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی
مجاہد ملت: حضرت مولانا عبدالستار خان نیازی
شارح بخاری: حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی
مفتی اعظم پاکستان: حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی
غازی اسلام: حضرت مولانا سید خلیل احمد قادری
مجاہد تحریک ختم نبوت: حضرت مولانا صوفی ایاز خان نیازی
سرمایۂ ملت: حضرت غازی عامر چیمہ شہید
مجاہد اہل سنت: حضرت مولانا مفتی محمد امین قادری

فدایان ختم نبوت پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ العاقب لاہور

جلد 3 — شمارہ 1

محرم الحرام ۱۴۳۱ھ

جنوری 2010ء

قیمت 20 روپے

سالانہ 300 روپے

0321

فہرست

مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں

آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں

صاحبزادہ مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی اور صاحبزادہ مولانا راغب احمد نعیمی توجہ فرمائیں

اپنے اکابر سے وابستگی اور ربط کسی بھی مذہب' جماعت یا گروہ میں بڑی اہم تصور کی جاتی ہے اور برکت بھی اسی میں ہے ﴿البرکۃ مع اکابرکم﴾۔ لیکن آج کل بعض عناصر کی جانب سے عوام اہلسنت کو اپنے اکابر سے بدظن اور بدگمان کرنے کے لیے انتہائی خطرناک مہم پروان چڑھ رہی ہے۔ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی معرکۃ الآراء کتاب ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' کی تصنیف کے باوجود فریق مخالف انہیں اپنے بزرگوں میں شامل کر رہا ہے۔ عارف کامل حضرت میاں شیر محمد شرقپوری کو عقائد اہلسنت کا کٹر مبلغ ومؤید ہونے کے باوجود ان کی جانب غلط باتیں منسوب کی جارہی ہیں۔ مناظر اسلام مولانا غلام دستگیر قصوری کو غیر مقلدین اپنے گروہ میں شامل کرنے کے درپے ہیں۔ فاتح عیسائیت حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو اپنا قد کاٹھ بڑھانے کے لیے اپنے بڑوں میں شمار کیا جارہا ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلی کے سلسلہ طریقت سے وابستہ فاتح قادیانیت پروفیسر محمد الیاس برنی کی ان مٹ خدمات کو اغواء کیا جارہا ہے۔ خلیفۂ اعلیٰ حضرت حضرت مولانا ابوالحسنات قادری کے متعلق بے سروپا روایات کو منسوب کیا جارہا ہے۔

اس پُر اسرار و خطرناک مہم کا اگلا شکار ﴿صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے شاگرد رشید مفتی محمد حسین نعیمی' بانی جامعہ نعیمیہ لاہور﴾ ﴿خطیب پاکستان مولانا محمد شفیع اوکاڑوی﴾ ﴿صدر الشریعہ کے لخت جگر علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری﴾ ﴿استاذ العلماء مفتی ظفر علی نعمانی﴾ رحمہم اللہ ہیں۔ پاکستان میں دیوبندی مکتبۂ فکر کے مرکزی مدرسہ اور اشرفعلی تھانوی کی فکر کے ترجمان ادارے ''دارالعلوم کراچی'' سے اس مہم کو اب پروان چڑھایا جارہا ہے۔ دارالعلوم کراچی

کے ترجمان جریدے ماہنامہ ''البلاغ'' کے جولائی 2009ء کے شمارے میں اس ادارے کے سربراہ مفتی رفیع عثمانی کی طرف سے ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی علیہ الرحمہ کی شہادت پر ایک خط شائع ہوا جس میں موصوف صاحبزادہ مولانا راغب احمد نعیمی سے مخاطب ہیں کہ ''ہمارے اور آپ کے بزرگوں کے درمیان مخلصانہ تعلقات کافی قدیم ہیں۔ محترم جناب مولانا ڈاکٹر محمد سرفراز احمد نعیمی صاحب اور میں اسلامی نظریاتی کونسل میں بحیثیت رکن کے عرصہ دراز تک ساتھ کام کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح آپ کے دادا حضرت مولانا مفتی محمد حسین صاحب نعیمی اور میرے برادر عزیز شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اسلامی نظریاتی کونسل میں ساتھ مل کر برسوں کام کرتے رہے' اور اس زمانہ میں آپ کے دادا جان نے تقریباً ایک ہفتہ دار العلوم کراچی میں ہماری میزبانی قبول فرما کر قیام فرمایا' دونوں وقت ہم کھانا ساتھ کھاتے اور مختلف علمی وملی مسائل پر تبادلہ خیال ہوتا تھا' پانچوں نمازیں بھی ساتھ پڑھتے تھے' میں نے ان میں مسلکی تعصب کا شائبہ دُور دُور تک نہیں پایا''۔ (ص:۳۱)

اس کے بعد دسمبر 2009ء کے شمارے میں بھی رفیع عثمانی صاحب نے اس مہم کو ایک نئے انداز میں آگے بڑھاتے ہوئے ایک مضمون ''حضرت مولانا سرفراز خاں صفدر سے وابستہ چند یادیں'' میں یوں بیان کیا ہے کہ ''1986ء کی دہائی میں ناچیز لاہور سے سفر کر کے آپ کی خدمت میں گکھڑمنڈی خاص اس مقصد کے لیے حاضر ہوا کہ دیوبندی اور بریلوی مکاتب فکر کے درمیان جو خلیج بڑھتی جارہی ہے اسے کم' بلکہ ختم کرنے کی راہ تلاش کی جائے۔ اس مقصد کے لیے پہلے ہی ہماری کئی ملاقاتیں مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب سابق مہتمم دار العلوم نعیمیہ لاہور' مفتی ظفر علی نعمانی سابق مہتمم دار العلوم امجدیہ کراچی' علامہ عبد المصطفیٰ الازہری سابق شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ کراچی اور مولانا محمد شفیع اوکاڑوی وغیرہم سے ہو چکی تھیں' ان سب حضرات کا تعلق بریلوی مکتبہ فکر سے ہے۔ ان ملاقاتوں سے میں اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ عقائد کے باب میں دونوں مکاتب فکر کا اختلاف بڑی حد تک صرف تعبیر اور الفاظ کا اختلاف ہے۔ حقیقت میں ایسا کوئی اختلاف عقائد کے باب میں نہیں جس کی بناء پر ایک دوسرے کو گمراہ یا فاسق قرار دیا جائے۔ ہاں بہت سے اعمال میں یہ اختلاف ضرور ہے کہ ہم انہیں بدعت کہتے ہیں اور ان کے نزدیک وہ بدعت میں داخل نہیں۔

مولانا مفتی محمد حسین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے تو مجھ سے اور برادر عزیز مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سے پوری وضاحت سے یہ کہا تھا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان اختلاف کا باعث حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب ''حفظ الایمان'' کی چند سطری عبارت ہے۔ اس عبارت کو بیچ سے نکال دیا جائے تو پھر ہمارے اور آپ کے درمیان عقائد کا کوئی اختلاف نہیں۔ اس پر ہم نے ان سے کہا تھا کہ حکیم الامت حضرت تھانوی ہمارے سرتاج ہیں اور ان کی اس عبارت کے جو معنی بہت سے حضرات نے بیان کیے ہیں ہمیں یقین ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانوی اس

باطل معنی کے مراد لینے سے بالکل بری ہیں اور حضرت حکیم الامت جیسی حب رسول ﷺ سے سرشار شخصیت کے بارے میں دور دور امکان نہیں کہ انہوں نے ایسے غلط معنی مراد لیے ہوں۔ اس عبارت کے جو صحیح معنی ذرا سی توجہ سے سمجھ میں آجاتے ہیں وہی حضرت کی بھی مراد ہے۔ چنانچہ انہوں نے بعد میں اس کی وضاحت بھی فرما دی تھی اور اس غلط معنی سے مکمل براءت کا بھی دوٹوک اعلان فرما دیا تھا لیکن اگر ان کی اس عبارت کو شائع کرنے سے روک دینا' امت کو پھوٹ سے بچانے اور ان دونوں مکاتب فکر کو متحد کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے تو بڑی خوشی کی بات ہے' اس کی عملی شکل کیا ہوگی؟ اس کے لیے مشورے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اور آپ کو مل کر اس کے لیے پیش رفت کرنی چاہیے اور طے ہوا تھا کہ دونوں طرف کے علماء کرام کا اجتماع اس غرض سے بلایا جائے گا لیکن ملک میں اچانک ایسے حالات پیش آتے گئے کہ یہ کام آگے نہ بڑھ سکا۔

پھر صدر ضیاء الحق صاحب مرحوم کے دور میں بریلوی مکتبہ فکر کے مشہور عالم دین مولانا محمد شفیع اوکاڑوی صاحب نے مجھ سے اسلام آباد میں علماء کنونشن کے موقع پر ملاقات فرمائی جو ہماری پہلی اور آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ کیونکہ اس کے تقریباً ڈیڑھ دو مہینے بعد ان کا کراچی میں انتقال ہوگیا۔ اس ملاقات میں مولانا اوکاڑوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے واشگاف الفاظ میں یہ فرمایا تھا کہ امت میں جو پھوٹ پڑی ہوئی ہے مجھے خطرہ ہے کہ اس کے بارے میں آخرت میں ہم سے پوچھ ہوگی' میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے بارے میں اپنی تقریروں میں بار ہا ان کی مخالفت کی ہے لیکن جب میں نے ان کی کتابوں کا گہرائی سے مطالعہ کیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہمارے اور ان کے عقائد میں کوئی فرق نہیں۔ ان کی کتاب ''حفظ الایمان'' کی جو چند سطری عبارت اب تک کشیدگی کا باعث بنی رہی ہے' اس کے بارے میں مولانا اوکاڑوی صاحب نے فرمایا کہ اب تو خود حضرت تھانوی ہی کے قلم سے اس کی ایسی توضیح اور توجیہ شائع ہوگئی ہے جس کے بعد یہ عبارت بھی نزاعی نہیں رہی۔ اس لیے مجھے آپ دونوں بھائیوں سے توقع ہے کہ اگر ہم مل کر کام کریں تو امت کو پھوٹ سے بچایا جاسکتا ہے ورنہ اللہ کے یہاں ہم سے پوچھ ہوگی۔

میں نے ان سے کہا تھا کہ یہ تو آپ میرے دل کی بات کہہ رہے ہیں۔ ہمارے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع نے اپنی زندگی کے آخری کئی سال اس کوشش میں صرف فرمائے ہیں اور میں بھی کئی سال سے اس کوشش میں لگا ہوا ہوں۔ چنانچہ میرے اور مولانا اوکاڑوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان طے ہوا کہ وہ اور ہم اپنے اپنے حلقہ کے اہل علم سے رابطہ کر کے اس میں پیش رفت کریں گے' پھر دونوں طرف کے خاص خاص علماء کرام کا اجلاس ہوگا پھر نسبتاً بڑے پیمانے پر دونوں طرف کے حضرات کا دوسرا اجلاس ہوگا۔ ان اجلاسوں میں اتفاق ہو جانے کے بعد ملک گیر پیمانے پر دونوں طرف کے علماء و مشائخ کا کنونشن بلا کر اس میں اعلان کر دیا جائے گا کہ عقائد میں کوئی اہم اختلاف نہیں۔

لیکن کراچی واپس آکر ناچیز کا اہل علم سے مشوروں کا سلسلہ جاری ہی تھا اور اس کا طریقہ کار بڑے پیمانے پر طے کیا جا رہا تھا کہ مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی اچانک وفات ہوگئی ﴿انا للہ وانا الیہ راجعون﴾ اللہ تعالیٰ ان کی کامل مغفرت فرمائے۔

بعد ازاں ان کے صاحب زادے مولانا کوکب نورانی صاحب سے کئی بار ملاقاتیں ہوئیں وہ بھی کئی بار دارالعلوم کراچی تشریف لائے اور ہر بار مولانا محمد شفیع اوکاڑوی صاحب کی اس ملاقات کا ذکر آیا لیکن افسوس کہ اس کے بعد بھی کوئی عملی پیش رفت نہ ہو سکی اور دشمنان اسلام کی سازشوں اور مسلمانوں کی سادہ لوحی یا جذباتیت کے باعث یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ ﴿انا للہ وانا الیہ راجعون﴾

یہ تھا وہ پس منظر جس کے تحت ناچیز امام اہل السنہ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر سے ملاقات کرنے اور رہنمائی حاصل کرنے کے لیے گکھڑ منڈی حاضر ہوا تھا۔ حضرت نے بہت شفقت فرمائی اور جس مقصد کے لیے حاضر ہوا تھا اس پر مسرت کا بھی اظہار فرمایا اور اس کی تائید فرمائی۔ لیکن طبیعت ناساز تھی زیادہ گفتگو نہ ہو سکی"۔ (ص:۴۸تا۵۰)

سرفراز صاحب گکھڑوی کی یاد میں مفتی صاحب موضوع سے کچھ زیادہ ہی دُور نکل گئے ہیں۔ سُنّی دیوبندی نزاع ایسے چٹکلوں سے حل نہیں ہوگا بلکہ ان متنازعہ دکفریہ کتب کے مصنفین وقائلین سے قطعاً لاتعلق ہونے سے حل ہوگا جن میں شانِ ربوبیت وشانِ رسالت ﷺ کی توہین وتضحیک کی گئی ہے۔ مفتی صاحب دُور کی کوڑی لانے کی بجائے اپنی ہی چارپائی کے نیچے پہلے اچھی طرح بانس پھیر لیں کہ اُن کے اپنے مسلک کے لوگوں کو اُن کی یہ کرم فرمائی کیسی محسوس ہو رہی ہے؟ سرفراز گکھڑوی صاحب کے پوتے حافظ عمار خان ناصر نے خط کشیدہ عبارات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "بریلوی دیوبندی اختلاف سے متعلق مفتی صاحب کا یہ تجزیہ حضرت شیخ الحدیث کے منہج فکر اور نظریات سے کتنا ہم آہنگ ہے یہ نکتہ زیادہ محتاج وضاحت نہیں۔ لیکن کسی وضاحتی یا اختلافی نوٹ کے بغیر اس کی شمولیت نہ اس اشاعت کے مرتبین کو کھٹکی ہے اور نہ موصولہ مواد پر نظر ثانی کرکے اس کی منظوری دینے والے بزرگوں کو۔ اس کے وجوہ اور مصالح غالباً زیادہ ناقابل فہم نہیں ہیں"۔

﴿ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ جنوری 2010ء ص:58﴾

عقیدہ ختم نبوت

محمد اشفاق سالک آبادی

نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نبوت کو ختم کر دیا' آپ ﷺ کی تشریف آوری سے نبوت تمام اور مکمل ہوگئی اور اب کوئی نیا نبی یا رسول نہیں آئے گا نیز آپ کی نبوت قیامت تک کے لیے ہے۔ ختم نبوت کے منکرین خاتم کے معنی مہر کرتے ہیں لیکن اس سے بھی ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ مہر کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز پر مہر لگادی جائے وہ چیز ختم ہو جاتی ہے' نہ تو اس میں دوسری شے داخل ہو سکتی ہے اور نہ اس کو کوئی شخص دیکھ سکتا ہے۔ اگر کوئی مہر توڑے گا اور اس میں ردوبدل کرے گا تو وہ امانت میں خیانت کرنے کے سنگین الزامات میں پکڑا جائے گا۔ اس صورت میں "خاتم النبیین" کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے انبیاء کی آمد کا سلسلہ جاری تھا' حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد یہ سلسلہ بند ہوگیا اور اس پر مہر لگادی تاکہ کوئی کذاب ودجال اس میں داخل نہ ہو سکے۔ اگر کوئی شخص زبردستی اس سلسلہ میں گھسنا چاہے گا تو پہلے مہر توڑے گا اور جب مہر توڑے گا تو پکڑا جائے گا اور اسے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

عقیدہ ختم نبوت ورسالت کا ایک جزو یہ ہے کہ سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور دوسرا یہ کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں یعنی نہ صرف نبوت آپ پر ختم ہوگئی بلکہ یہ بھی کہ یہ منصب اپنے کمال کو پہنچ کر تمام ہوگیا۔ اس لیے آپ ﷺ کی نبوت ورسالت تمام زمینوں اور انسانوں کے لیے ہے۔ اب آئندہ نہ تو کسی رسول کے آنے کی گنجائش ہے اور نہ ہی کسی نئی شریعت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے جس آسمانی وحی کی روشنی میں انسان کی تہذیب وتمدن کی اصلاح کی ہے اس کا ایک ایک لفظ اپنی اصل شکل اور ہیئت کے ساتھ موجود ہے۔ جس میں کوئی تحریف نہیں ہوئی ہے اور نہ ہوگی جبکہ پہلی الہامی کتابوں اور صحائف میں تبدیلی کردی گئی ہے بلکہ اکثر صحائف کا نام تک باقی نہیں اور غیر الہامی کتابیں تو اپنی اصل افادیت اور اہمیت ہی کھو چکی ہیں۔ گزشتہ انبیاء کا پیغام مقامی اور محدود تھا جبکہ حضور اکرم ﷺ کی نبوت ورسالت عام ہے اور آپ کا لایا ہوا پیغام ہدایت ابدی اور سب کے لیے ہے۔ آپ کا دین اور آپ کی ذات گرامی سب کامل واکمل ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ختم

نبوت کا اعلان یوں فرمایا کہ ﴿ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شی علیما﴾ ''محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا﴾ ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا''۔ مذکورہ آیات مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے دین اور نعمت مکمل فرما دینے کا اعلان فرمایا ہے پس اب قیامت تک کوئی دین الٰہی نہ ہوگا اور حضور ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں بنایا جائے گا۔ پہلی امتوں پر نعمتوں کو مکمل نہیں کیا گیا تھا اب اس نعمت کو مکمل ہو جانے کا اعلان خود باری تعالیٰ نے فرما کر ہر دروازے پر پہرہ لگا دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''بنی اسرائیل کے انبیاء ان کا سیاسی نظام چلاتے تھے۔ جب بھی کوئی نبی وصال کرتا تو دوسرا نبی اس کا خلیفہ ہو جاتا اور بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا''۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''عنقریب میری امت میں تیس کذاب ہوں گے جن میں ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے''۔ ایک اور حدیث پاک میں ارشاد فرمایا ''میری اور پہلے انبیاء کی مثال اس طرح ہے جیسا کہ وہ شخص جس نے خوبصورت محل تیار کیا اور ایک اینٹ کی جگہ خالی رہنے دی لوگ اس محل کو دیکھتے اور پسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اینٹ کی جگہ کیوں خالی چھوڑ دی گئی ہے؟ سو وہ اینٹ میں ہی ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں''۔

تفسیر ابن کثیر میں علامہ ابن کثیر متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اکرم ﷺ نے سنت متواترہ میں بتایا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں تا کہ ساری دنیا جان لے کہ جو شخص بھی حضور ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کذاب ہے، جھوٹا ہے، دجال ہے، گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ تفسیر المعانی میں علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کا خاتم النبیین ہونا ایسا عقیدہ ہے جس کی تصدیق قرآن وسنت نے کی ہے۔ اس پر امت کا اجماع ہے۔ پس جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کافر ہو جائے گا۔ اگر اس نے توبہ نہیں کی اور اس دعویٰ پر اصرار کرتا رہا تو وہ قتل کیا جائے۔

اگرچہ امت اسلامیہ کئی فرقوں میں بٹی ہے۔ باہمی تعصب نے بارہا ملت اسلامیہ کے امن وسکون کو درہم برہم

کیا اور فتنہ وفساد کے شعلوں نے بڑے المناک حادثات کو جنم دیا ہے لیکن بے شمار شاخوں میں طرح طرح کے اتنے شدید اختلاف کے باوجود تمام اہل اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ سرور کونین ﷺ آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ گزشتہ تیرہ صدیوں میں جس نے بھی نبی بننے کا دعویٰ کیا اس کو مرتد قرار دیا گیا اور اس کے خلاف علم جہاد بلند کر کے اس کی جھوٹی عظمت کو خاک میں ملا دیا گیا۔ الحمد للہ! عالم اسلام کے تمام علماء کرام نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے کر دائرہ اسلام سے خارج بلکہ مرتد قرار دیا ہے۔

فتنہ قادیانیت کی بیخ کنی اور اس سازش کو بے نقاب کرنے کے لیے 1895ء میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی اور دیگر علماء اہل سنت نے فتاویٰ، رسائل اور کتابیں لکھ کر عوام کو آگاہ کیا۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی اور حضرت پیر سید جماعت علی شاہ نے بھی فتنہ قادیانیت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ 1953ء میں علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ مرزائیوں کو قانوناً غیر مسلم اقلیت قرار دے لیکن حکومت نے آپ کو ساتھیوں سمیت گرفتار کر لیا۔ آپ اپنے مطالبہ کا اعادہ فرماتے رہے جبکہ علامہ عبد الستار خان نیازی اور مولانا سید خلیل احمد قادری کو تو پھانسی کا حکم سنایا گیا تھا جو بعد میں ملتوی ہو گیا۔

29 اپریل 1973ء وہ مبارک دن ہے جب آزاد کشمیر اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جبکہ 25 مئی 1973ء کو صدر آزاد کشمیر نے بھی اس کی توثیق کی۔ پھر علماء اہل سنت خصوصاً علامہ مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی اور علامہ عبد المصطفیٰ الازہری کی خصوصی کاوشوں سے 7 ستمبر 1974ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر غیر ایمانی کا ثبوت دیا۔ جب 1977ء میں جنرل ضیاء الحق اور 1999ء میں جنرل پرویز مشرف کے اقتدار پر قبضہ کر لینے کی وجہ سے آئین معطل ہوا تو قائد اہل سنت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی انتھک جدوجہد سے دوبارہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے والی دفعہ کو نہ صرف تسلیم کیا گیا بلکہ قانون میں بھی شامل کرنا پڑا۔ آزاد کشمیر اس وقت حکومت ایک مرتبہ پھر بازی لے گئی جب غالباً جون 2002ء میں جمعیت علمائے جموں وکشمیر کے صدر صاحبزادہ عتیق الرحمٰن فیض پوری کی کوششوں سے حکومت نے وہاں قادیانی لٹریچر رکھنے اور شائع کرنے پر پابندی عائد کر دی۔ ہمیں امید ہے کہ حکومت پاکستان بھی اس خوش آئند فیصلے کی تقلید کرے گی۔

حضرت علامہ ارشد القادری کی تمام عمر اہلسنت وجماعت کے دفاع وخدمت میں بسر ہوئی۔ آپ جامعہ نظام الدین دہلی کے بانی اوران گنت مدارس کے سرپرست ومربی تھے۔ تحریر وتقریر میں یکتائے زمانہ تھے خصوصا تحریر میں آپ کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ آپ کی لاجواب تصانیف میں مسئلہ ختم نبوت' سرکار ﷺ کا جسم بے سایہ' علم غیب' لالہ زار' زلف وزنجیر' تبلیغی جماعت اور زلزلہ وغیرہ شامل ہیں۔ آخر الذکر کتاب نے تو حقیقی معنوں میں نجد ودیو بند کے مکر وفریب کے محلات میں زلزلہ برپا کردیا تھا جس کے اثرات آج بھی محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ بہرکیف آپ بہترین محقق ومصنف اور ادیب وشاعر تھے۔ ماہنامہ جام نور اور جامعہ نظام الدین دہلی آپ کی خاص یادگار ہیں۔

عرب کی دھوپ' تپتا ہوا ریگستان اور دوپہر کا وقت ساری قیامتیں ایک ساتھ جمع ہوگئی تھیں۔ قافلے والے پیاس کی شدت سے جاں بلب تھے۔ انہیں یقین ہو چلا تھا کہ اب وہ چند گھڑی کے مہمان ہیں۔ اسی عالم یاس میں انہیں بہت دور ایک پہاڑ کے دامن سے گزرتے ہوئے چند ناقہ سوار نظر آئے۔

سردار قافلہ نے کہا! اونٹوں کی رفتار بتا رہی ہے کہ یہ حجاز کے نخلستان سے آرہے ہیں۔ جانے کیوں میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ یہ لوگ ہماری بجھی ہوئی زندگی کی امیدگاہ بن کر طلوع ہوئے ہیں' اپنی بکھری ہوئی قوتوں کو سمیٹ کر انہیں آواز دو۔ شاید ہماری چارہ گری انہی کے ہاتھ پر مقدر ہوگئی ہو۔ اپنے سردار کے حکم کے مطابق قافلے کے تمام چھوٹے بڑے افراد نے ایک ساتھ انہیں بلند آواز سے پکارا، خوشا نصیب کہ سلطان حجاز کے گوش مبارک تک یہ آواز پہنچ گئی۔ سردار دوست مدار نے اپنے صحابہ سے ارشاد فرمایا'' یہ عربی قبائل کا کوئی مصیبت زدہ کارواں معلوم ہوتا ہے چلو اس کی اعانت کریں''۔

بادِ صبا کی طرح تیز قدم اٹھاتے ہوئے ان کے قریب پہنچے' پیاس کی شدت سے وہ بے حال ہو رہے تھے۔ ناقہ سواروں میں ایک چمکتا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ چیخ اٹھے، اے رحمت ونور والے! ہم پیاس کی شدت سے جاں بلب ہیں! تمہارے چھاگل میں پانی کے چند قطرے ہوں تو ہماری حلق تر کردو.........

سرکار ﷺ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا'' اس پہاڑ کی دوسری جانب ایک حبشی نژاد غلام اپنی ناقہ پر پانی کی ایک مشک لیے جارہا ہے' اس سے جا کر کہو کہ چل تجھے پیغمبر آخر الزمان بلا رہے ہیں۔ فوراً قافلے سے ایک شخص دوڑتا ہوا پہاڑ کی دوسری طرف روانہ ہوگیا۔ کچھ ہی فاصلے پر اسے ایک حبشی نژاد ناقہ سوار نظر آیا اس نے اسے آواز دے کر روکا اور سرکار نامدار کا پیغام پہنچایا۔

سرکار کریم ﷺ کا نام نامی سنتے ہی وہ ٹھٹھک کر رک گیا اور اپنی سواری سے اُتر آیا۔ اب اپنے ہاتھ سے اونٹنی کی مہار تھامے ہوئے وہ پاپیادہ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ جیسے ہی اس کی نظر سرکار کریم ﷺ کے چہرۂ انور پر پڑی اس کے دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ ایک ہی جلوے میں وہ آقا کریم ﷺ کے رخ انور کا اسیر ہو کے رہ گیا۔

نبی کریم ﷺ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا'' تیرا پانی کم نہیں ہوگا' ان پیاسوں پر اپنی مشک کا منہ کھول دے! خدا تجھے روشن کرے گا''۔

اب وہ اپنے آپ میں نہیں تھا۔ سرکار کریم ﷺ کے حکم کی تعمیل کے لیے بے ساختہ اس کے ہاتھ اٹھے اور اس نے مشک کا منہ کھول دیا۔ آبشار کی طرح پانی کا دھارا گر رہا تھا اور قافلے والے سیراب ہو رہے تھے۔ جب سارے اہل قافلہ سیراب ہو چکے تو سرکار ﷺ نے حکم دیا اب مشک کا منہ بند کرلے۔ مشک کا منہ بند کرتے ہوئے اسے سخت حیرت تھی کہ کئی مشک پانی بہہ جانے کے بعد بھی اس کے مشک کا ایک بوند پانی کم نہیں ہوا تھا۔

وہ شخص شیفتۂ جمال تو پہلی نظر میں ہو چکا تھا۔ اب یہ کھلا ہوا معجزہ دیکھ کر وہ اپنے جذبۂ شوق کو دبا نہیں سکا۔ بے خودی کے عالم میں چیخ اٹھا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ سرکار کریم ﷺ نے دعائیں دیتے ہوئے اس کے چہرے پر رحمت وکرم کا ہاتھ پھیرا اور اسے رخصت کردیا۔

حبشی غلام کا آقا پانی کے مشک کا بہت دیر سے منتظر تھا۔ جوں ہی دور سے اپنی آتی ہوئی اونٹنی پر نظر پڑی تو خوشی سے اس کا چہرہ کھل اٹھا لیکن جوں جوں اونٹنی قریب ہوتی جارہی تھی اس کا استعجاب بڑھتا جارہا تھا۔ اسے حیرت تھی کہ اونٹنی اسی کی ہے' مشک بھی اسی کی ہے لیکن سوار اجنبی ہے۔ آخر اس کا اپنا حبشی غلام کہاں گیا؟ جب اونٹنی بالکل قریب آگئی تو آقا دوڑتا ہوا آیا اور اس اجنبی شخص سے دریافت کیا کہ تو کون ہے؟ میرا وہ حبشی غلام کہاں گیا؟ مجھے ایسا لگتا ہے کہ تو نے اسے قتل کرکے میری اونٹنی پر قبضہ کرلیا ہے۔

سوار نے اظہار حیرت کرتے ہوئے جواب دیا۔ ہائے افسوس! آج آپ کو کیا ہوگیا ہے' اپنے قدیم غلام کو بھی

آپ نہیں پہچانتے؟ آپ کا غلام تو میں ہی ہوں اور آپ کا کون غلام ہے؟ آقا نے غضب ناک ہو کر جواب دیا۔ مجھے فریب دیتے ہوئے تجھے شرم نہیں آتی، میرا غلام حبشی نژاد تھا۔ اس کے چہرے پر یہ سفید نور کہاں تھا؟

اب جو آئینے میں اس نے چہرہ دیکھا تو عالم بے خودی میں رقص کرنے لگا۔ جذبات کی والہانہ وارفتگی میں سرشار ہو کر اس نے اپنے آقا سے کہا! یقین کرو میں تمہارا وہی غلام ہوں' اعتبار نہ ہو تو مجھ سے اپنے گھر کے سارے حالات پوچھ لو، رہ گئی میرے چہرے کی یہ چاندنی تو یہ برکت ہے نخلستان عرب کے اس پیغمبر ﷺ کی جس کے چہرۂ زیبا کا عکس دل ہی کو نہیں چہرے کو بھی روشن کر دیتا ہے۔

آج نور کے اس ساگر میں نہا کر آرہا ہوں۔ پہاڑ کی ایک وادی میں ان کی زیارت سے شاد کام ہوا۔ دمِ رخصت انہوں نے اپنے نورانی ہاتھ میرے چہرے پر مس کر دیے تھے۔ اسی کی برکت ہے کہ میرے چہرے کی سیاہی چمکتی ہوئی سفیدی میں بدل گئی۔

آقا نے یہ کیفیت معلوم کر کے غلام کی پیشانی چوم لی اور وہ بھی دولتِ ایمان سے مالا مال ہو گیا۔

انعامی مقابلہ

1. جنگ یمامہ میں عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ کرتے ہوئے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے والے بھائی کا اسم گرامی کیا ہے؟
2. شہزادہ اعلیٰ حضرت، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ نے رد قادیانیت میں کونسی کتاب تصنیف فرمائی؟
3. آزاد کشمیر اسمبلی نے قادیانیوں کو کب غیر مسلم اقلیت قرار دیا تھا؟

﴿درست جواب دینے والے خوش نصیبوں کو اگلا شمارہ بالکل مفت﴾

﴿جواب نوٹ کروائیں۔ صرف عصر تا مغرب 0321-1370406﴾

جب حضرت عمر بن عبد العزیز نے این آر او ختم کیا......!

وہ ہمیشہ کی طرح رات کو گشت پر نکلے۔ نفس کے دشت کو نیکیوں کے سمندر میں بدلنے کے لیے گشت تو کرنا ہی پڑتا ہے اور پھر ویسے بھی انہوں نے کبھی شہوات سے "مفاہمت" کی ہی نہیں تھی لہٰذا پہلو بھی اکثر بستر سے الگ ہی رہا کرتے تھے۔ اُس رات بھی معمول کے مطابق اپنے اسلم کے ساتھ وہ رعایا کی خبر گیری کے لیے بھیس بدل کر اُن ہی گلیوں میں سر جھکا کر چل رہے تھے جہاں "اُن" کے ہونے کا تصور ہی ہر عاشق کو خود بخود ادب سکھا دیتا ہے۔ وہ تو ٹھہرے خالق سے محبوب کے مانگے ہوئے عاشق! پھر اُن سے زیادہ ادب اور کون جانے؟ ادھر رات گہری ہوتی جارہی تھی اور اُدھر اُن کی پریشانی بڑھتی جارہی تھی کہ کہیں کوئی گلی' مکان یا محلہ چھوٹ تو نہیں گیا یا معبود برحق مجھ سے روٹھ تو نہیں گیا جو کسی سائل کی آواز' ماں کی پکار یا بھوکے پیٹ رات گزارنے والوں کی سسکیاں سنائی نہیں دے رہیں؟ اسی مضطربانہ کیفیت کے ساتھ انہوں نے ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگائی ہی تھی کہ دفعتاً ایک آواز کی سرگوشی نے سناٹے کو چیر دیا' بظاہر وہ کھسر پھسر ہی تھی مگر ماحول کی خاموشی نے غیر معمولی صوتی طاقت کے ساتھ مظاہر فطرت کو اس کا گواہ بنا دیا تھا۔ وہ ایک عورت تھی جو اپنی بیٹی کو بیدار کرتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی "بیٹی اٹھو! یہ وقت بہت مناسب ہے تم جلدی سے دودھ میں پانی ملا دو"۔ بیٹی نے قدرے توقف کے بعد اپنی ماں سے دریافت کیا "امی جان! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آج امیر المومنین نے کیا حکم دیا ہے؟" ماں نے بھنویں چڑھاتے ہوئے سوالیہ نظروں سے دختر کو گھورتے ہوئے پوچھا کہ "کیا حکم دیا تھا؟" بیٹی دائرہ ادب کے احاطے میں رہتے ہوئے نرم انداز میں اپنی والدہ سے یوں گویا ہوئی کہ "امی جان! میں نے امیر المومنین کے منادی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ دودھ میں پانی کی آمیزش نہ کی جائے"۔ ماں نے جواب سن کر کہا کہ "بس اتنی سی بات ہے تم نے خوامخواہ مجھے بھی پریشان کر دیا گھبرانے کی ضرورت نہیں' تم بس اٹھو اور دودھ میں پانی ملا دو۔ ہم جہاں ہیں، وہاں نہ عمر ہمیں دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی ان کا منادی"۔ بیٹی نے والدہ کا آخری فیصلہ سن کر تلخ لہجے میں بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہا' امی جان! اللہ کی قسم یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ میں لوگوں کے سامنے تو عمر رضی اللہ عنہ کی اطاعت کروں اور تنہائی میں نافرمانی کا ارتکاب کروں۔ آپ کو دودھ میں پانی ملانا ہے تو خود ملا دیجیے' مجھ سے یہ نہیں

ہوگا"۔ کچھ دیر کے لیے پھر سے خاموشی ہوگئی۔اس بار خاموشی کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی آواز نے توڑ دیا اور آپ نے اسلم سے کہا "اے اسلم! اس گھر کے دروازے پر کوئی نشان لگا دو اور اچھی طرح پہچان لو اور صبح آ کر یہاں دیکھنا کہ معاملہ کیا ہے؟ اس گھر میں کوئی مرد بھی ہے یا نہیں؟" اسلم بتاتے ہیں کہ جب صبح میں نے معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ لڑکی کا باپ مر چکا ہے اور وہ کنواری ہے جو اپنی ماں کے ساتھ تنہا رہتی ہے۔ تفصیلات جاننے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کو بلوایا اور سب کو جمع کرنے کے بعد ان سے فرمایا "میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے کسی کا نکاح اس لڑکی کے ساتھ کروں جسے میں نے گذشتہ شب ایمان کی بہترین حالت میں دیکھا ہے"۔ آپ کے صاحبزادے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ "بابا جان! میں حاضر ہوں"۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس لڑکی کے لیے پیام بھجوایا اور عاصم رضی اللہ عنہ سے اُس کا نکاح کر دیا۔ ان کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی اور اس کے ہاں بھی ایک بیٹی پیدا ہوئی اس نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جیسے گہر نایاب کو جنم دیا۔ ہاں! وہی عمر بن عبدالعزیز جنہوں نے مروان بن حکم کے کالے دور حکومت کے مفاہمتی قانون کا خاتمہ کیا جس سے آل مہلب بمیرہ، حجاج اور خالد بن سعید نے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔ کالے قانون کے نفاذ سے انکار اور ایمان کے تحفظ پر اصرار کا چراغ ان کی تربیت گاہ میں اسی خاتون نے روشن کیا تھا جسے ایک طرف فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بہو اور دوسری جانب عمر بن عبدالعزیز کی نانی ہونے کا شرف حاصل ہے۔

مروان سے لے کر سلیمان بن عبدالملک تک "حکومتی مفاد" کے پیش نظر "حکمت عملی" کے تحت اسلام کے عظیم ہیروں طارق بن زیاد، موسیٰ بن نصیر، محمد بن قاسم اور قتیبہ بن مسلم کا صلہ دردناک شہادت یا معاشی تنگی کی صورت میں دیا گیا۔ حکومت کے حالات ایسے ہو چکے تھے کہ بیت المال عوامی نہیں بلکہ "ذاتی خزانہ" تصور کیا جاتا تھا۔ دوستوں اور شراب و شباب کی محافل کے "ساتھیوں" کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کی گئیں، بعض مخالفین کی جانب سے "مفاہمت" کرنے پر ان کی سزائیں معاف کر دی گئیں اور بعض طاقت وروں سے "مفاہمت" کی خاطر سعید بن جبیر، کمیل ابن زیاد، ابراہیم بن یزید رحمہم اللہ اور عبداللہ بن زبیر اور مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا گیا۔ ایسے میں عمر ابن عبدالعزیز پیدا ہوئے جنہوں نے قومی و حکومتی مفاہمت اور اس جیسے ناموں کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے خلافت علی منہاج النبوۃ کا احیا کیا۔ امام ابن جوزی کے مطابق آپ نے خلیفہ بنتے ہی سب سے پہلے جو کام انجام دیا وہ لوگوں کے غصب شدہ مال کی واپسی تھی۔ تاریخ ابن خلکان کے صفحات میں درج ہے کہ آپ نے مسند اقتدار سنبھالتے ہی تمام اموال کو مکاتیب لکھے اور ان سے جائیدادوں اور بیت المال کا حساب مانگا۔ اس وقت امت کا دو

تہائی مال صرف "ایک خاندان" کے قبضے میں تھا۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے مکاتیب پر "این آر او کے تحت فائدہ اٹھانے والوں" نے جواب دیا "اللہ کی قسم! یہ مال اور جائیداد اس وقت تک واپس نہیں ہو سکتا جب تک ہمارے سر تن سے جدا نہ ہو جائیں۔ ہم اپنے اجداد کو کافر بنا سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے بچوں کو مفلس"۔ اس سخت جواب کے بعد عمر بن عبدالعزیز نے جواباً دمشق کی جامع مسجد میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا جسے امام جوزی کی تحریر کردہ "سیرت عمر بن عبد العزیز" کے صفحہ: ۱۸ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے کہ "ان لوگوں (حکومتی افراد) نے ہم خاندان والوں کو ایسی جاگیریں اور عطایا دیے جس کو اللہ کی قسم ان کو دینے کا حق تھا اور نہ ہی ہمیں لینے کا۔ چنانچہ میں خلیفہ وقت کی حیثیت سے اصلی حق دار کو ان کا حق واپس دینے کا اعلان کرتا ہوں اور اس کی ابتداء اپنے ہی گھر سے کرتا ہوں"۔ اس کے بعد آپ نے جاگیروں کی اسناد کا خریطہ منگوایا، وزراء ان اسناد کو نکال کر پڑھ کر سناتے جاتے تھے اور آپ قینچی سے انہیں کاٹ کر پھینکتے جاتے تھے، یہاں تک کہ فجر سے ظہر کا وقت ہو گیا۔ تاریخ الخلفاء میں علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ آپ کی اہلیہ فاطمہ بنت عبدالملک کے پاس موتیوں کا ایک ہار تھا جو ان کے باپ خلیفہ عبدالملک نے انہیں دیا تھا۔ آپ نے وہ ہار لے کر اپنی شریک حیات سے کہا "تم اور یہ ہار، دونوں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے"۔ یہ کہہ کر آپ نے این آر او کے ایسے چیتھڑے اڑائے کہ بنی امیہ کے تقریباً ڈیڑھ سو افراد عالی شان مکانوں سے نکل کر "فٹ پاتھ" تک آ گئے۔ ان میں سے بعض تو صوم و صلوٰۃ کے پابند اور متقی بھی تھے مگر قانون کی عملداری میں آپ نے ان کی بھی ذرہ برابر پرواہ نہیں کی اور یہ صورت حال اس وقت تک جاری رہی جب تک کہ آپ کی "پراسرار شہادت" نہ ہو گئی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مفاہمتی قانون (N.R.O) کا ایسا خاتمہ کیا کہ ظالم اور غاصب امراء و عمال سخت تعزیری سزاؤں سے بچ نہ سکے۔ حجاج بن یوسف کا خاندان جو ظلم و زیادتی میں مشہور تھا اس کو جلاوطن کر دیا گیا۔ یمن کے والی عبدالحمید کو رقعہ لکھا کہ "وسوسۂ شیطانی اور حکومت کے ظلم و جور کے بعد انسان کی بقا نہیں ہو سکتی، اس لیے میرا خط ملتے ہی ہر حق دار کو اس کا حق دو اور ہر غاصب کو برطرف کر دو"۔ فارس کے امراء کو لکھا کہ "خبردار! میں اب یہ نہ سنوں کہ چند منظور نظر افراد کو فائدہ پہنچانے کے لیے غذائی اجناس کے نرخوں میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو اللہ کا قانون نافذ کرنے میں عمر پیچھے نہیں رہے گا"۔

صدر ([illegible]) صاحب ایک سوال ہے اور چونکہ آپ ہمارے ملک میں سب سے بڑے عہدے پر ہیں، شاید مجھے اس کا جواب دے سکیں کہ "جب انسان اپنی خواہش سے دنیا میں نہیں آتا اور نہ ہی اس کی مرضی سے موت آئے گی تو پھر وہ پیدائش و موت کا درمیانی وقفہ اپنی مرضی سے کیوں جینا چاہتا ہے؟"

''آزاد آغا خانی ریاست'' کے قیام کی جانب پہلا قدم

محمد انیس الرحمٰن ایڈیٹر ہفت روزہ ندائے ملت

اس میں شک نہیں کہ وطن عزیز جس قسم کے فتنوں کی لپیٹ میں آچکا ہے وہ ان حکمران سیاسی عناصر کی پیداوار ہیں جو اس کی آڑ میں ایسے ایسے فیصلے کر رہے ہیں جو ڈالروں کے عوض خاکم بدہن نہ صرف ملک کی نظریاتی جڑوں کو ہلا دیں گے بلکہ اس کی جغرافیائی بنیاد میں بھی دراڑیں ڈال جائیں گے۔ قوم کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت پہلے بجلی کے بحران میں مبتلا کیا گیا تاکہ ''رینٹل پاور'' پراجیکٹ کی شکل میں کروڑوں ڈالر کی ''کمیشن'' کمائی جا سکے پھر آٹے کا بحران سامنے آتا ہے۔ ابھی قوم کی کمر اس بحران سے سیدھی نہیں ہو پائی کہ حکومت اور اپوزیشن میں بیٹھا ''شوگر مافیا'' 28 روپے والی چینی کو 55 روپے میں فروخت کرنے پر تل جاتا ہے۔ بعض ذرائع کے مطابق اسی اثناء میں لندن اور واشنگٹن میں پاکستان سے تنخواہ لے کر ''دوسروں'' کے کام کرنے والا سفارتی حلقہ حرکت میں آتا ہے اور ''بریگیڈیئر (ر) امتیاز احمد'' نام کی باسی کڑی میں اٹھارہ برس بعد اچانک ابال لایا جاتا ہے اور حکومت کی نہ نظر آنے والی چھتر چھایا تلے پاک فوج اور ملکی سلامتی کے ضامن اداروں کو بدنام کرنے اور اپوزیشن کو مشرف کے ٹرائل سے روکنے کے لیے ایک ''حکومتی کاؤنٹر اٹیک'' کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس واقعے سے چند روز پہلے ہی وزیر اعظم پارلیمنٹ میں کہہ چکے تھے کہ مشرف کا ٹرائل Do Able (قابل عمل) نہیں ہے۔ جب تک کہ تمام پارلیمنٹ اس پر اتفاق نہ کرے یعنی ''نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی''۔ یہی وجہ ہے کہ زرداری گروپ کے بعد سب سے زیادہ ایم کیو ایم ''آمر مشرف'' کی پشتی بان بنی ہوئی ہے بلکہ زرداری صاحب بھی اب اسی قلعے میں پناہ گزین ہیں۔ اسی لیے این آر او سے ایک اور مستفید ریٹائرڈ بریگیڈیئر کو میدان میں اتارا گیا۔

اسی دوران الزامات اور وضاحتوں کی اس دھول میں کابینہ کی سطح پر ایک ایسا فیصلہ کیا گیا جس کے خطرناک اور دور رس نتائج سے شاید ابھی کوئی واقف نہیں ہے۔ یہ فیصلہ گلگت اور بلتستان کو داخلی خود مختاری دینے کا حکومتی فیصلہ ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ متنازعہ فیصلہ اسی وقت کیوں کیا گیا؟ یہ ایک ایسا فیصلہ ہے جس نے دو طرح کے سوالات کو سر اٹھانے پر مجبور کر دیا ہے۔ ایک یہ کہ اس حکومتی فیصلے سے مسئلہ کشمیر کو عملاً اس خطے سے کاٹنے کی کوشش

کی گئی ہے جس پر مقبوضہ کشمیر کی کشمیری قیادت بھی حیران اور پریشان ہو چکی ہے کہ پاکستان نے ان کے ساتھ یہ کیا کیا ہے؟ پاکستان نے 1948ء میں اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم پر اپنا جو مقدمہ پیش کیا تھا اس کے مطابق اس مقدمے میں متحدہ کشمیر کے مجموعی رقبے کا ذکر ہے جو تقریباً 86 ہزار 4 سو مربع میل کے برابر ہے۔ یہ سارا رقبہ اسی وقت مکمل ہوتا ہے جب گلگت اور بلتستان کو اس میں شامل کیا جائے۔ اس سلسلے میں کشمیر ہائیکورٹ کا ایک فیصلہ بھی موجود ہے کہ شمالی علاقہ جات تاریخی طور پر کشمیر کا حصہ ہیں۔ اس لیے انہیں کسی اور بندوبستی نظام کے تحت نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ بھی کشمیری عوام حکومت پاکستان سے اس بات کا مطالبہ کرتے رہے ہیں کہ شمالی علاقہ جات کو کشمیر کا حصہ قرار دے کر ہائی کورٹ اور کشمیری پارلیمنٹ کا دائرہ کار بڑھا دیا جائے لیکن اس سلسلے میں ہمیشہ اسلام آباد کی ''پراسرار بیوروکریٹک راہ داریاں'' حائل ہو گئیں۔ حکومت اس سلسلے میں یہ استدلال دیتی ہے کہ یہاں کے لوگ بنیادی حقوق سے محروم تھے اور انہیں اپنی شناخت درکار تھی۔ اگر ایسی بات تھی تو آزاد کشمیر کے ساتھ ان کا الحاق کر کے شناخت اور حقوق کی محرومی کا مسئلہ حل کیا جا سکتا تھا۔ پھر کس کے بھروسے پر اس علاقے کو 1948ء سے لے کر اب تک بے یار و مددگار چھوڑا گیا تاکہ ایک ''بے جغرافیہ'' عالمی دولت مند ''آغا خانی'' اقلیت یہاں پر بھرپور سرمایہ کاری کر سکے۔ وہ ہسپتالوں، تعلیمی اداروں اور روزگار کے دیگر مواقع فراہم کرنے والے اداروں کا جال بچھا سکے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شروع دن سے برطانوی سول سروس کی تربیت یافتہ اسلام آباد میں بیٹھی بیوروکریسی نے شمالی علاقہ جات کے نام پر اس ''گنجائش'' کی جگہ پہلے سے ہی نکال رکھی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان علاقوں کو جان بوجھ کر محروم رکھا گیا تاکہ یہ آنے والے ''مسیحا'' کے منتظر رہیں۔

مقبوضہ کشمیر کی قیادت نے اپنے تحفظات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے کہ پاکستانی حکومت نے اس فیصلے سے پہلے انہیں اعتماد میں نہیں لیا۔ اب انہیں کون بتائے کہ یہ ''استعماری فیصلہ'' تو بحرانوں میں گھری پاکستانی قوم اور ''صم بکم'' پارلیمنٹ کو بھی بغیر اعتماد میں لیے کیا گیا ہے؟ پھر مقبوضہ کشمیر کی قیادت کو کون گھاس ڈالتا؟ انہیں کون بتائے کہ یہ وہی منصوبہ ہے جو عالمی صیہونیت کے چہیتے پرویز مشرف نے کشمیر کو پانچ اکائیوں میں تقسیم کرنے کی شکل پیش کیا تھا۔ پیپلز پارٹی کے نام پر موجود ''حکمران سینڈیکیٹ'' اسی منصوبے کی جانب رواں دواں ہے تاکہ جیسے جنوب مشرقی ایشیا میں انڈونیشیا کو کاٹ کر مشرقی تیمور کی عیسائی ریاست قائم کی گئی اسی طرح یہاں ''آزاد آغا خانی ریاست'' کا جواز پیدا کیا جا سکے۔ اس سلسلے میں پاکستان وزارت خارجہ نے انہیں یقین دہانی کرائی تھی کہ صدر کی جانب سے حکم نامے پر دستخط سے پہلے کشمیری قیادت کے تحفظات دور کیے جائیں گے۔ اس بریفنگ اجلاس میں آزاد کشمیر کے صدر

سکندر ذوالقرنین، وزیراعظم آزاد کشمیر سردار یعقوب، اپوزیشن کے رہنما سردار عتیق خان، سابق وزیراعظم سردار سکندر حیات، مسلم کانفرنس کے رہنما اور دیگر قائدین بھی شامل تھے۔ لیکن حقیقی بات یہ ہے کہ کشمیر کے معاملے میں جو کام مشرف نہ کر سکا تھا وہ موجودہ پیپلز پارٹی نے کر دیا ہے۔

شمالی علاقہ جات کی ''عالمگیریت'' کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صیہونی ساہوکاری نظام ورلڈ بینک کے ملازم ''معین قریشی'' کو جب پاکستان میں وزیراعظم بنا کر بھیجا گیا تھا تو اس وقت اس کے ذریعے اسی قسم کا شوشہ چھوڑنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن ''بیدار حلقوں'' نے اسے باور کرایا کہ نہ تو قوم ابھی سوئی ہوئی ہے اور نہ اس کی حفاظت کے ضامن ادارے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ یہ اہم ''ذمہ داری'' پیپلز پارٹی کی حکومت پر ڈال کر واپس امریکہ چلا گیا تھا۔ اس کے بعد یہ منصوبہ مشرف دور میں مختلف انداز میں بروئے کار لانے کی کوشش کی گئی لیکن اس وقت بھی اسے حتمی شکل نہ دی جا سکی۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ حکومت میں اس منصوبے کو اچانک صرف کابینہ میں منظور کرنے کے بعد کئی قسم کے شکوک و شبہات نے سر اٹھا لیا ہے۔ یوں مقبوضہ کشمیر کی قیادت کو یہ پیغام مل چکا ہے کہ موجودہ حکمران کس قدر کشمیر کے مسئلے سے مخلص ہیں۔ اس سلسلے میں ہم پہلے بھی سوات آپریشن شروع ہونے سے قبل اس قسم کے خدشات کا اظہار کر چکے ہیں کہ پاکستانی طالبان کے نام پر جس انداز میں ان کی صفوں میں دشمن ملکوں کے ایجنٹ در آئے تھے اور پھر آپریشن کے نام پر گیہوں کے ساتھ گھن بھی پسا۔ اسی طرح مستقبل میں شمالی علاقہ جات میں قائم ہونے والی ''آغا خانی ریاست'' کے راستے میں حائل ممکنہ مزاحمت کو پہلے ہی ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ہم اسرار سے بھرپور اسماعیلیوں کی تاریخ کی جانب رجوع نہیں کریں گے کیونکہ اس وقت اس کا موقع محل نہیں۔ فاطمی حکومت کے خاتمے کے بعد یہ لوگ پہلے افغانستان چلے گئے تھے۔ وہاں سے 1944ء میں یہ افغانستان سے ہندوستان آ کر بسے تھے۔ 1877ء میں انڈیا میں برطانوی راج نے انہیں 1857ء کی جنگ آزادی اور اس کے بعد تک قائم رہنے والے برطانوی راج کے خلاف مسلم عوامی حلقوں میں نفرت کم کرنے کے لیے استعمال کیا۔ اسی دوران انہیں ''پرسنل گن سیلوٹ'' کی اجازت بھی دی گئی۔ حالانکہ یہ اعزاز دیگر والیان ریاست سے واپس لیا جا چکا تھا۔ 1857ء میں ملکہ برطانیہ ''ایلزبتھ ثانی'' نے آغا خان کو ''ہز ہائی نس'' کا خطاب دیا۔ اس وقت یہ دنیا کی سب سے بڑی اور متمول ''اقلیت'' تصور کی جاتی ہے۔ آغا خان ڈویلپمنٹ نیٹ ورک نے جسے دنیا کا سب سے بڑا غیر حکومتی ڈیولپمنٹ نیٹ ورک کہا جاتا ہے، صرف افغانستان میں 400 ملین ڈالر کی سرمایہ کاری کر رکھی ہے جبکہ پاکستان کے شمالی علاقہ جات اور دیگر حصوں میں آغا خانیوں کے ترقیاتی کاموں کی تفصیلات ذرائع ابلاغ کے

ذریعے آتی رہتی ہے۔ آغا خانی موجودہ دنیا کی اقتصادی کارٹیل یا اشرافیہ کا اہم حصہ ہیں۔ جس کے مفادات کے تناظر میں عالمی سطح پر سیاسی رزم گرم دیکھنے کو ملتا ہے۔ ایک یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ آغا خانیوں کو انگریزوں نے برٹش انڈیا میں ہی آزاد ریاست دینے کا وعدہ کر رکھا تھا لیکن جنگ عظیم دوم کی تباہ کاریوں اور اس کے بعد مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کے قیام کے کام سے ہی انہیں فرصت نہ مل سکی، لہٰذا آغا خانی اقلیت کو ہندوستان میں خاصے پریشان کن حالات کا سامنا رہا۔

1946ء میں بمبئی میں ہونے والی آغا خان کی ڈائمنڈ جوبلی ایک تاریخ ساز واقعہ تھا جس میں دنیا بھر سے آنے والے اسماعیلیوں کی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی۔ اس زمانے میں اس وقت کے لحاظ سے 6 لاکھ 40 ہزار برطانوی پاؤنڈ لاگت کے ہیروں سے آغا خان کو تولا گیا تھا۔ موجودہ زمانے میں یہ خطیر رقم کئی بلین ڈالر سے بھی تجاوز کر جاتی ہے۔ بعد میں نئی بھارتی حکومت نے ان افراد کے بارے میں چھان بین شروع کر دی جنہوں نے اس ڈائمنڈ جوبلی میں ہیروں کی شکل میں بھاری نذرانے پیش کیے تھے۔ نئی بھارتی حکومت کو سرمائے کی ضرورت تھی اس لیے ان افراد سے حکومت نے بھاری ٹیکس وصول کیے جس کی وجہ سے بہت سے اسماعیلی دیوالیہ ہو کر پہلے ڈھاکہ پھر چٹاگانگ اور اس کے بعد جنوبی افریقہ منتقل ہو گئے تھے۔ ان کے مذہبی پیشوا آغا خان نے یورپ میں ہی رہائش کو ترجیح دی۔ لیکن ایک مخصوص جغرافیے کی تمنا انہیں پاکستان کی جانب دیکھنے پر مجبور کرتی رہی، پاکستان کے فائیو اسٹار ہوٹلوں میں انہیں اجارہ داری جبکہ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں بھی انہیں کسی حد تک کامیابی حاصل ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پیپلز پارٹی کی حکومت نے شمالی علاقہ جات کو نئے پیکج کے نام پر جس ''بندوبستی انداز'' میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے وہ وقت کے ساتھ ساتھ اپنی پہلے سے طے شدہ شکلیں تبدیل کرے گا اور خدانخواستہ معاملہ وہیں پر جائے گا جس کے حوالے سے خدشات کا اظہار کیا گیا ہے۔ ایم کیو ایم نے سب سے پہلے اس حکومتی فیصلے کی تعریف کی ہے۔ اس سلسلے میں اپوزیشن جماعتوں کو مثبت کردار ادا کرتے ہوئے حکومت سے اس جلد بازی کی وجہ پوچھنی چاہیے اور پارلیمنٹ میں اس مسئلے کو بحث کے بغیر کابینہ میں منظور کرانے پر احتجاج ریکارڈ کرا کر اسے کشمیر کے ساتھ منسلک کرنے کا مطالبہ کرنا چاہیے۔

لندن اس وقت پاکستان کے لیے شیطانیت کا گڑھ بن چکا ہے اور ممکن ہے وہاں اس منصوبے کو کامیاب بنانے ... پاکستانی قوم کو مزید بحرانوں میں دھکیلنے کی کوشش کی جائے۔ آٹے، چینی، بجلی اور تیل کے بعد ابھی موجودہ ... انتظامیہ کے ترکش میں گیس کا بھی تیر موجود ہے جسے دسمبر کے بعد چلانے کی ''نوید'' ہے۔ وزیرا

موجودہ زرداری انتظامیہ کے ترکش میں گیس کا بھی تیر موجود ہے جسے دسمبر کے بعد چلانے کی "نوید" ہے۔ وزیر اعظم کی "باخبری" کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی ناک تلے اسلام آباد میں موجود مغربی نجی سیکورٹی ایجنسیاں اپنا کھیل کھیل رہی ہیں اور ان کا فرمانا ہے کہ پاکستان میں بلیک واٹر نامی کوئی تنظیم نہیں جبکہ سابق سیکورٹی انچارج برائے فاٹا بریگیڈیئر (ر) محمود شاہ کا کہنا ہے کہ "بلیک واٹر" اور "ڈائنا کور" کو ملک سے نہ نکالا گیا تو نقصان ہوگا۔ ان بیانات کی روشنی میں سمجھا جاسکتا ہے کہ جس ملک کا وزیر اعظم اس قدر "باخبر" ہو اس قوم کو اپنے مستقبل کی فکر کرنی چاہیے۔

بشکریہ: ہفت روزہ ندائے ملت 10 تا 16 ستمبر 2009ء

گذشتہ شمارے کے جوابات

1. محدث اعظم حضرت مولانا سردار احمد قادری علیہ الرحمۃ نے مرزائیت / قادیانیت کی تردید میں مرزا ... یا عورت' لفظ وفات کی تحقیق' رد قادیانی' امام مہدی کی آمد کی بشارت اور حیات مسیح علیہ السلام نامی ... تحریر فرمائے۔

2. مصور پاکستان علامہ محمد اقبال کا مرزائیت / قادیانیت کے متعلق فرمان تھا کہ میرے نزدیک ... قادیانیت سے کہیں زیادہ مخلص ہے کیونکہ وہ کھلے طور پر اسلام سے باغی ہے لیکن مؤخر الذکر (قادیانیت) اسلام کی چند نہایت اہم صورتوں کو ظاہری طور پر قائم رکھتی ہے لیکن باطنی طور پر اسلام کی روح ... کے لیے مہلک ہے۔

3. آئین کی دفعہ 295 سی میں نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں تحریری' تقریری یا کسی بھی انداز ... کرنے والے کی سزا موت مقرر کی گئی ہے۔

درست جواب دینے والے خوش نصیب

... لاہور ◆ اکرم اعوان خانیوال ◆ بلال مصطفیٰ' لاہور ◆ رفاقت عطاری' شیخوپورہ ◆ ... ایف سی کالج لاہور ◆ فردوس اعوان' پولی ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ لاہور

اہلسنت وجماعت کو رافضیت میں دھکیلنے کی مذموم کوشش

مفتی محمد اشرف آصف جلالی

ڈاکٹر مفتی محمد اشرف آصف جلالی بہترین مفتی' محقق' مصنف' مبلغ' مناظر' مدرس' خطیب' ادیب اور شاعر ہیں۔ پیر سید جلال الدین شاہ مشہدی اور علامہ شاہ احمد نورانی کے تربیت یافتہ اور بھکھی شریف اور جامعات بغداد شریف کے فاضل ہیں۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے "عربی ادب میں فقہ حنفی کے مخطوط" نامی مقالہ لکھ کر پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ڈاکٹر صاحب علمی وجسمانی طور پر قد آور شخصیت کے مالک ہیں۔ جامعہ جلالیہ رضویہ مظہر الاسلام لاہور کے مہتمم وشیخ الحدیث اور ادارہ "صراط مستقیم" کے ڈائریکٹر ہیں۔ ردِ قادیانیت پر آپ کا کتابچہ "ظہور امام مہدی مع رفع حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور قادیانی" ٹھوس دلائل سے مزین ہے۔ ہر ماہ آپ کے پر مغز علمی خطابات "صراط مستقیم" نامی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کیے جاتے ہیں۔

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم اما بعد

رب ذوالجلال نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرما کر رشد وہدایت کا جو سلسلہ شروع کیا اس کے اولین فیض یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ جماعت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں خلفاء راشدین سب سے افضل ہیں اور خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں آپس میں افضلیت کی وہی ترتیب ہے جو کہ خلافت کی ترتیب ہے۔ شیر خدا خلیفۂ چہارم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات کے لحاظ سے اہلسنت راہ مستقیم پر ہیں جبکہ دو فرقے افراط وتفریط سے کام لیتے ہیں۔ ایک طرف ایسا بغض کہ جو شان اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کی اس کا انکار اور دوسری طرف ایسا غلو کہ جو شان اللہ تعالیٰ نے انہیں نہیں دی اس کے اثبات کی بھی ضد۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگوں کے یوں افراط وتفریط کی خبر رسول اللہ ﷺ پہلے ہی دے چکے

تھے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا:

﴿فِیکَ مَثَل مِنْ عیسیٰ اَبغَضَتْهُ الْیهوْدُ حتیّٰ بَهتُوْا اُمّهٗ واَحَبَّتْهُ النَّصاری حتیّٰ اَنْزَلُوْه بِالْمَنْزِلَةِ الَّتیِ لَیْسَتْ لَهٗ ثُمَّ قالَ یَهْلِکُ فِیَّ رَجُلانِ مُحِبٌ مُفْرِط یقرِظُنی بِما لَیْسَ فِیَّ وَ مُبْغِض یحمِلُهٗ شَنانی علیٰ اَنْ یَبْهتَنِی﴾[1] ترجمہ: ”تمہاری حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک مشابہت ہے۔ یہودیوں نے ان سے دشمنی کی یہاں تک کہ ان کی والدہ حضرت مریم پر تہمت لگادی۔ عیسائیوں نے ان سے محبت کی یہاں تک کہ ان کا وہ مقام بیان کیا جو ان کا نہیں تھا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے بارے میں دو بندے ہلاک ہوجائیں گے۔ ایک میری محبت میں غلو کرنے والا جو میری اس وصف سے تعریف کرے گا جو مجھ میں نہیں ہے۔ دوسرا میرا دشمن کہ اسے میری عداوت اس بات پر ابھارے گی کہ وہ مجھ پر بہتان باندھے۔“

اس سلسلے کا آغاز اس وقت ہوگیا جب عبداللہ بن سبا یہودی نے اسلام کی چادر اوڑھی اور پھر فتنہ برپا کیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کا انکار کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بلافصل ہونے کا اعلان کیا۔ مشہور رافضی کتاب رجال کشی میں وضاحت سے لکھا گیا ہے ﴿وذَکَرَ بعضُ اَهلِ العلمِ اَنّ عبدَ اللہ بنَ سبا کانَ یهودیاً فاسلمَ والیٰ علیاً علیه السلامُ ، وکانَ یقولُ وهو علیٰ یهودیّتِه فِیْ یوشع بن نون وَصِیِّ موسیٰ بالْغُلُوّ ، فقالَ فِی اِسلامِه بعدَ وفاتِ رسولِ اللہ ﷺ فِی علیٍّ علیه السلام مثلَ ذٰلِکَ وکانَ اوَّلُ منْ شَهَرَ بالقوْلِ بفرضِ اِمامَةِ علی﴾[2] ترجمہ: ”بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے عبداللہ بن سبا یہودی تھا پھر مسلمان ہوگیا اور اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعویٰ کیا۔ وہ جب یہودی تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصی حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے بارے میں غلو کرتا تھا۔ جب اس نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ ﷺ کے ظاہری دنیا سے پردے کے بعد اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اسی طرح کا غلو کیا۔ وہ پہلا بندہ تھا جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے تعین کا قول کیا۔“

امام محمد بن عبدالکریم شہرستانی نے بھی اس بات کو لکھا ہے کہ ﴿هوَ اَوَّلُ مَنْ اَظْهرَ الْقَوْلَ بالنّصِ بامامة علیٍّ رضی اللہ تعالی عنهُ وِمنْهُ انْشَعَبَتْ اَصْنَافُ الْغُلاة﴾[3] ترجمہ: ”وہ پہلا انسان ہے

جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت (خلافت بلافصل) منصوص ہونے کا اعلان کیا۔ اس سے آگے کئی غالی گروہ پیدا ہوئے۔“

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات کے لحاظ سے افراط وتفریط کے شکار رافضی اور خارجی گروہ پیدا ہوگئے۔ تفضیلی فرقہ رافضیت کا آغاز ایک ایسی انہونی بات تھی کہ امام ابونعیم نے عظیم تابعی عالم الجزیرہ حضرت میمون بن مہران کا فیصلہ اپنی سند سے حضرت فرات بن سائب سے یوں روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں ﴿سالتُ میمون بن مهران ، قلتُ علیٌ افضلُ عندکَ ام ابوبکر و عمر؟ قال فارتعد حتیٰ سقطت عصاه من یده ثم قال ما کنت اظن ان ابقی الی زمان یعدل بهما، ذرهما کانا راسی الاسلام وراسی الجماعة ، فقلت فابوبکر کان اول اسلاما ام علی قال واللہ لقد آمن ابوبکر بالنبی ﷺ زمن بحیر الراهب حسین مرّ به﴾[4] ترجمہ: ”میں نے حضرت میمون بن مہران سے سوال کیا کہ تمہارے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما؟ آپ پر کپکپی طاری ہوگئی یہاں تک کہ آپ کے ہاتھ سے آپ کا عصا گر گیا۔ پھر آپ نے کہا میں نہیں سمجھتا تھا کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں گا جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو ٹھہرایا جائے۔ ان دونوں حضرات کا معاملہ بس یہیں رہنے دو، وہ دونوں اسلام اور جماعت کے سالار تھے۔ میں نے کہا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہلے اسلام لائے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ؟ انہوں نے کہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو اس وقت رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے تھے جب رسول اللہ ﷺ کا گزر بحیرہ راہب کے پاس سے ہوا“۔

تفضیلی فرقہ، رافضیت کی پرائمری حالت ہے۔ لیکن یہ گروہ افراد اہلسنت کو اغواء کرکے رافضی کیمپ میں پہنچانے کے لحاظ سے اہلسنت کیلئے رافضیت سے زیادہ خطرناک ہے۔

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل اور خصائص اہلسنت کے نزدیک ثابت شدہ ہیں، آپ کی ولایت برحق ہے اور اس پر اہلسنت کا ایمان ہے مگر ولایت سے جو معنیٰ رافضی مراد لیتے ہیں وہ درست نہیں ہے اور نہ ہی ولایت اور خلافت میں وہ تقابل ہے جو آج کیا جارہا ہے۔

حضرت علی ؓ کی ولایت کا معنی یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے محبوب اور مددگار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نہایت مقرب ہیں۔ ولائے حضرت علی ؓ ہر مسلمان کا شعار ہے لیکن محبت وولائے حضرت صدیق اکبر ؓ، حضرت علی ؓ اور اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی دعوت ہے ﴿عن جعفر بن محمد عن ابیه، قال: جاء رَجُلٌ اِلٰی اَبِی فقال اَخبِرنِی عن اَبِی بکر، قال: عن الصدیق تسْاَلُ؟ قال: وتُسَمِّیه الصدیق؟ قال: ثکلتک اُمُّک، قد سَمَّاه صدیقاً مَن هو خیر مِنِّی، رسولُ اللّٰہِ ﷺ والمُهاجِرُونَ والانصارُ، فمَن لَمْ یُسَمِّه صدیقاً، فلا صدق اللّٰہُ قوله، اذهب فاحِبَّ ابابکرٍ وعمرَ، وتولّهما، فما کان مِنْ اَمْرٍ ففِیْ عُنُقِی﴾ ترجمہ: ''حضرت امام جعفر صادق ؓ حضرت امام باقر ؓ سے روایت کرتے ہیں، ایک آدمی میرے والد محترم حضرت امام زین العابدین ؓ کے پاس آیا اس نے کہا مجھے ابوبکر (ؓ) کے بارے میں بتاؤ، آپ نے فرمایا تم صدیق کے بارے میں سوال کر رہے ہو؟ سائل نے کہا کیا آپ بھی انہیں صدیق کہتے ہیں؟ تو امام زین العابدین ؓ نے کہا تجھے تمہاری ماں روئے، انہیں اس ذات نے صدیق کہا جو مجھ سے افضل ہیں یعنی رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین وانصار (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے۔ جو انہیں صدیق نہیں کہتا، اللہ تعالیٰ اس کی کسی بات کی تصدیق نہ کرے۔ جاؤ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت کرو اور دونوں کی ولاء اختیار کر۔ اگر تجھ پر کوئی بوجھ آیا تو میری گردن میں ہے''۔ ۵

امت مسلمہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر ؓ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ بلافصل ہیں جبکہ روافض اس خلافت کے منکر ہیں اور ان کے نزدیک حضرت سیدنا علی المرتضیٰ ؓ خلیفہ بلافصل ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب کی کتاب ''السیف الجلی علی منکر ولایت علی رضی اللہ تعالیٰ عنه'' حقیقت کے بالکل منافی ہے۔ یہ کتاب اہلسنت کے اجماعی موقف کیلئے کئی وجوہ سے نقصان دہ ہے اور اس میں رافضی موقف کو کئی وجوہ سے تقویت پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے مثلاً

❶ پروفیسر صاحب نے لکھا: ''سلطنت میں صدیق اکبر ؓ حضور نبی اکرم ﷺ کے خلیفہ بلافصل یعنی براہ راست نائب ہوئے۔ ولایت میں سیدنا علی المرتضیٰ ؓ حضور نبی اکرم ﷺ کے بلافصل یعنی براہ راست

نائب ہوئے''۔ ۶

پروفیسر صاحب نے اس عبارت میں اہلسنت کا مؤقف کمزور کرنے کی کوشش کی کیونکہ اہلسنت وجماعت تو حضرت صدیق اکبر ؓ کو مطلقاً خلیفہ بلافصل مانتے ہیں، صرف سلطنت میں خلیفہ نہیں مانتے۔ پروفیسر صاحب نے رافضی مؤقف کو ثابت کر دیا کیونکہ ولایت بلافصل ہی ان کے نزدیک خلافت بلافصل ہے۔ بعینہ یہی الفاظ یعنی ولایت بلافصل ہی پروفیسر صاحب نے لکھ دیے ہیں۔ جس طرح کہ رافضی مجتہد ابوالحسن اربلی نے اپنی کتاب کشف الغمه میں خلافتِ علی ؓ کی فصل بے میں واضح لکھا ہے۔ السیف الجلی میں اس رافضی موقف کو ہو بہو تسلیم کر لیا گیا ہے بلکہ پروفیسر صاحب نے خود صفحہ: ۸ پر اسی ولایت کو امامت بھی کہا۔ اس وجہ سے رافضی بغلیں بجانے لگے ہیں کہ اہلسنت کی طرف منسوب ایک شخص نے حضرت علی ؓ کی امامت بلافصل ثابت کر دی جو ہمارا شیعوں کا عقیدہ تھا۔

❷ خلافت پر ولایت کی کئی وجوہ سے برتری بیان کر کے خلافت کو ڈی گریڈ (کم حیثیت) کیا ہے:

- انہوں نے کہا، خلافت عوام کا چناؤ ہے اور ولایت اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے۔
- خلافت زمینی نظام کے سنوارنے کے لیے ہے اور ولایت اسے آسمانی حسن سے نکھارنے کیلئے قائم ہوتی ہے۔
- خلافت افراد کو عادل بناتی ہے اور ولایت افراد کو کامل بناتی ہے۔
- خلافت کا دائرہ فرش تک ہے اور ولایت کا دائرہ عرش تک ہے۔

❸ حضرت صدیق اکبر ؓ کی خلافت کو سیاسی کہا اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ ؓ کی خلافت کو روحانی کہا۔ آج کا لفظ ''سیاسی'' اگر کرپشن وغیرہ کی آلودگیوں سے بچا بھی لیا جائے تو پھر بھی لوگ اسے دنیاداری کے مفہوم میں ضرور سمجھتے ہیں۔ جب سیاسی کے مقابلے روحانی خلافت کا ذکر کر دیا گیا تو یہ باور کرایا گیا ہے کہ یہ محض دنیاداری ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ﴿کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِیَاءُ﴾ ۸ ترجمہ: ''بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام ان کی سیاست کرتے تھے''۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے سیاسی خلافت، روحانیت کے بغیر کیسے ہو سکتی ہے؟ حضرت صدیق اکبر ؓ

کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے مصلّٰی پر کھڑا کر کے یہ واضح کر دیا کہ یہ ایمانی اور روحانی خلافت ہے۔ جس پر دوسری خلافت خود بخود معلوم ہو جائے گی۔

❹ خلافت کی ظاہری اور باطنی تقسیم کر کے اور پھر باطنی خلافت کی ظاہری خلافت پر ترجیح بیان کر کے انہوں نے لکھا ہے کہ ظاہری خلافت عوام کے چناؤ سے ہے اور باطنی خلافت اللہ تعالیٰ کے چناؤ سے ہے۔

ان وجوہ فضیلت اور ان امور سے یہ بات ثابت ہے کہ پروفیسر صاحب نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر محض فضیلت ہی بیان نہیں کی بلکہ کئی مقامات پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی واضح توہین بھی کی ہے اور اپنی طرف سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ، حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے افضل ہے تو وہ خود بھی افضل ہوئے۔ جبکہ یہ جمہور اہلسنت کی واضح مخالفت اور رافضیت کی کھلی حمایت ہے۔

یہ نظریہ بالکل غلط ہے کیونکہ پروفیسر صاحب کے بقول جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس متصل خلافت (ولایت) تھی اور وہ سیاسی خلافت سے بڑی بھی تھی تو پھر انہیں چوتھے نمبر کی اور سیاسی خلافت قبول کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بلکہ آپ نے صرف (خلافت) قبول ہی نہیں کی بلکہ یہاں تک فرمایا، جو روافض کی کتابوں میں موجود ہے: ﴿مَنْ لَمْ يَقُلْ لِيْ رَابِعَ الْخُلَفَاءِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ﴾ ۹ ترجمہ: جو مجھے چوتھا خلیفہ نہ کہے اس پر اللہ کی لعنت ہے۔"

کس بنیاد پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو محض سیاسی قرار دے کر روحانی خلافت کا انکار کیا جا رہا ہے، جبکہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا ﴿مَا مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا وَلَهٗ وَزِيْرَانِ مِنْ اَهْلِ السَّمَاءِ وَوَزِيْرَانِ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ فَاَمَّا وَزِيْرَايَ مِنْ اَهْلِ السَّمَاءِ فَجِبْرِيْلُ وَمِيْكَائِيْلُ وَاَمَّا وَزِيْرَايَ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ فَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ﴾ ۱۰ ترجمہ: "ہر نبی کے دو وزیر آسمان والوں میں سے ہوتے ہیں اور دو وزیر زمین والوں میں سے ہوتے ہیں۔ پس میرے آسمان والوں میں وزیر حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام ہیں اور میرے زمین والوں میں وزیر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی

اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔

کیا پروفیسر صاحب حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام کو بھی سیاسی وزیر کہیں گے یا پہلی امتوں میں ہر نبی کے جو وزیر تھے وہ محض سیاسی ہی تھے؟ قارئین! اصل مسئلہ کی کچھ وضاحت کیلئے بندہ آپ کو قرآن و سنت کے مختصر دلائل کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

قرآن وسنت سے دلائل کا خلاصہ:

امام اہلسنت حضرت امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس موضوع پر کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ان میں سے عربی زبان میں اہم کتاب الزلال الانقیٰ من بحر سبقة الاتقیٰ (سب سے بڑے تقویٰ والے کی سبقت کے دریا کا پاکیزہ ترین پانی) ہے جو ترتیب کے لحاظ سے آپ کی پندرہویں تصنیف ہے۔ آپ نے افضلیت حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آیات واحادیث، اقوال ائمہ مجتہدین، ائمہ مفسرین اور ائمہ محدثین سے ثابت کیا ہے نیز صرف ونحو، بلاغت اور منطق وفلسفہ کو بھی اچھی طرح استعمال کیا ہے۔

ایک جھلک ملاحظہ ہو: فرمانِ الٰہی ہے ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى﴾ ۱۱ ترجمہ "اور بہت اس سے دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے"۔

اس بات پر آپ نے اجماع نقل کیا ہے کہ الاتقیٰ سے مراد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر دلائل قاہرہ سے ثابت کیا اتقیٰ یہاں تقی صفت مشبہ کے معنی میں نہیں بلکہ اسم تفضیل کے معنی میں استعمال ہے۔ یعنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو صرف پرہیزگار نہیں امت میں سب سے پرہیزگار کہا گیا ہے۔ ﴿ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم﴾ ۱۲ ترجمہ: "بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے"۔ پھر امام احمد رضا فرماتے ہیں ﴿اِذَا ثَبَتَ هٰذَا فَنَقُوْلُ وَصَفَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ تَعَالٰى الصِّدِّيْقَ بِاَنَّهُ اَتْقٰى وَوَصَفَ الْاَتْقٰى بِاَنَّهٗ اَكْرَمُ اَنْتَجَتْ الْمُقَدَّمَتَانِ اَنَّ الصِّدِّيْقَ اَكْرَمُ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى اَلْاَفْضَلُ وَالْاَكْرَمُ وَالْاَرْفَعُ دَرَجَةً وَالْاَعْلٰى مَكَانَةً كُلُّهَا اَلْفَاظٌ مُعْتَوِرَةٌ عَلٰى مَعْنًى وَاحِدٍ فَثَبَتَ الْفَضْلُ الْمُطْلَقُ الْكُلِّيُّ لِلصِّدِّيْقِ﴾ ۱۳ ترجمہ "جب یہ ثابت ہو گیا (اتقیٰ سے مراد بالاجماع حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں) تو ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وصف بیان فرمایا کہ وہ اتقیٰ ہیں اور اتقیٰ کا وصف بتایا کہ وہ اکرم ہے۔ ان دو مقدموں نے نتیجہ دیا کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اللہ کے نزدیک اکرم (سب سے افضل) ہیں، افضل واکرم ہونا' درجہ کے لحاظ سے ارفع واعلیٰ ہونا یہ سب الفاظ ایک ہی معنی پر صادق آتے ہیں لہٰذا افضل مطلق کلی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے ہے''۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تفضیلیوں کی طرف سے یہاں منطقی نکتہ نظر سے شکل اول کے لحاظ سے اعتراض کے جوابات دیے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل ثابت کرنے کے بعد امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو سب سے بڑھ کر عارف باللہ اور سب سے بڑا ولی بھی ثابت کیا ہے۔

آپ نے دو آیات اور دو احادیث سے استدلال کیا ہے کہ جب معرفت کا تعلق دل سے ہے اور تقوی کا محل بھی دل ہے تو جس قدر تقویٰ زیادہ ہوگا اس قدر معرفت الٰہی بھی زیادہ ہوگی۔

❶ ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ﴾[14] ترجمہ: ''وہ جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا ہے''۔

❷ ﴿ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب﴾[15] ترجمہ: ''اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری ہے''۔

❸ ﴿قال صلی اللہ علیہ وسلم التقوی ھنا التقوی ھنا یشیر الی صدرہ صلی اللہ علیہ وسلم﴾

حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ''صفا را اصلی وفرعی است اصلش انقطاع دل است از اغیار وفرعش خلوت دل است از دنیا غدار وایں ہر دو صفت صدیق اکبر ست ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہما ازآنچہ امام اہل ایں طریقت او بود۔''[16] ترجمہ: ''صفا کی ایک اصل ہے اور ایک فرع ہے۔ اصل صفا اغیار سے دل کا انقطاع اور صفا کی فرع غدار دنیا سے دل کا خالی ہونا ہے۔ یہ دونوں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حاصل تھیں۔ اس لیے طریقت والوں کے امام آپ تھے۔''

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت سے پروفیسر صاحب نے اپنے خودساختہ نظریے کی

جو حمایت کا ارادہ کیا ہے وہ بھی بے مراد ہے کیونکہ پروفیسر صاحب کا اس تمام بحث سے مقصود حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر فضیلت ثابت کرنا ہے جبکہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ﴿قد اَجمَعَ مَن یُعتَدُّ بہ مِنَ الامۃِ علیٰ اَنَّ اَفضَلَ الاُمَّۃِ ابو بکر الصّدّیقُ ثم عمرُ رضیَ اللہ تعالیٰ عنہما﴾ ترجمہ: ''امت کے قابل ذکر لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے اس امت میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔''[17]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''مقدمہ سَنِیّہ'' میں جو ارشاد فرمایا ہے لگتا ہے انہوں نے پہلے ہی سے پروفیسر صاحب کے نظریے کا رد لکھ دیا ہے، لکھتے ہیں: ﴿فالصِّدّیقُ رَضِیَ اللہ تعالیٰ عنہ معَ الـمُناسَبَۃِ التّامّۃِ لِمَ یکُونُ محروماً ولا یکونُ مُستَفِیداً مِن کمالاتِہ کیفَ وقد رُوِیَ انّہُ صلّی اللہ علیہ وسلّمَ قالَ ماصبَّ اللہ شیاً فی صَدرِیْ اِلاّ وقد صَبّہُ فی صدرِ ابِیْ بکرٍ وکُلّما کانَتِ المناسبۃُ اَکثرَ کانتْ فوائدُ لِصُحبَۃِ اَوفَرَ ولھٰذا صارَ الصّدّیقُ رضیَ اللہ تعالیٰ عنہُ اَفضلَ الصّحابَۃِ رضیَ اللہ تعالیٰ عنہُ ولَمْ یُدرِکْ احدٌ مِنھُم دَرَجَۃً لِاَنّہُ کانَ اکثرَھُم مُناسَبَۃًقالَ علیہ الصلوٰۃُ والسلامُ مافَضَلَ اَبوبکرٍ بکثرۃِ الصّلوٰۃِ ولا بکثرۃِ الصومِ ولٰکِنْ بشَیٍٔ قَرَّ فی قلبِہٖ﴾[18] ترجمہ: ''پس حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکمل مناسبت ہونے کے باوجود کیسے محروم ہو سکتے ہیں؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے کمالات سے مستفید نہ ہوں حالانکہ روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو بھی میرے سینے میں ڈالا میں نے وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سینے میں ڈال دیا ہے۔ جس قدر کسی کی مناسبت رسول اللہ ﷺ سے زیادہ ہوگی اسی قدر فوائد صحبت بھی زیادہ ہونگے۔ چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مناسبت تمام صحابہ سے بڑھ کر تھی چنانچہ آپ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے افضل ہوئے اور کوئی بھی آپ کے درجے کو نہ پاسکا۔''

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز' روزے کی کثرت کی وجہ سے آگے نہیں نکلے بلکہ ایک شے (محبت ومناسبت) کی وجہ سے آگے نکلے ہیں، جو آپ کے دل میں پکی ہو چکی تھی۔''

اہلسنت کی روشن تاریخ میں خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ہر ایک ہی کو شریعت وطریقت، سیاست وولایت اور ظاہر و باطن کے فضائل ومحاسن کے لحاظ سے کامل قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ مجدد دین وملت حضرت امام احمد رضا خاں قادری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور ان چار ارکانِ قصرِ ملت وچار انہارِ باغ شریعت کے خصائص وفضائل کچھ ایسے رنگ پر واقع ہیں کہ ان میں سے جس کسی کی فضیلت پر تنہا نظر کیجئے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ہیں یہی ہیں ان سے بڑھ کر کون ہوگا۔

ہر گلے کہ ازیں چار باغ می نگرم | بہار دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است

ترجمہ: ان چار باغوں میں سے جس پھول کو میں دیکھتا ہوں تو بہار میرے دل کے دامن کو کھینچتی ہے کہ اصل جگہ تو یہی ہے۔

پھر اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں لکھتے ہیں ''حضرات شیخین، صاحبین، صہرین، وزیرین، امیرین، مشیرین، ضجیعین، رفیقین سیدنا ومولانا عبد اللہ العتیق ابو بکر صدیق وجناب حق مآب ابو حفص عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شانِ والا سب کی شانوں سے جدا ہے اور ان پر سب سے زیادہ عنایتِ خدا اور رسولِ خدا جل جلالہ و ﷺ ہے۔ بعد انبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین کے جو مرتبہ ان کا خدا کے نزدیک ہے دوسرے کا نہیں۔ رب تبارک وتعالیٰ سے جو قرب ونزدیکی اور بارگاہ عرش اشتباہ رسالت میں جو عزت وسربلندی ان کا حصہ ہے اوروں کا نصیب نہیں۔ منازل جنت ومواہیب بے منت میں انہیں کے درجات سب پر عالی، فضائل وفواضل وحسنات طیبات میں انہیں کو تقدم وپیشی، ہمارے علماء وائمہ نے اس میں مستقل تصنیفیں فرما کر سعادتِ کونین وشرافتِ دارین حاصل کی ورنہ غیر متناہی کا شمار کس کے اختیار میں۔ واللہ العظیم۔ اگر ہزاروں دفتر ان کے شرح فضائل میں لکھے جائیں یکے از ہزار تحریر میں نہ آئیں۔

وعلىٰ تَفَنُّنِ وَاصِفِيْهِ بِحُسْنِهٖ | يَفْنَى الزَّمانُ وفيه مالم يُوْصَف

ترجمہ: اور اس کے حُسن کی تعریف کرنے والوں کی عمدہ بیانی کی بنیاد پر زمانہ ختم ہو گیا اور اس میں ایسی خوبیاں ہیں جنہیں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

مگر کثرت فضائل وشہرت فواضل چیزے دیگر اور فضیلت وکرامت امرے آخر، فضل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے

جسے چاہے عطا فرمائے ﴿قل ان الفضل بيد الله يؤتيه من يشاء﴾ [19]

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک سوال کے جواب میں واضح لکھا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب اولیاء کرام تھے۔ پھر لکھا: ''صحابہ کرام میں سب سے افضل واکمل واعلیٰ واقرب الی اللہ خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے اور ان کی افضلیتِ ولایت بترتیبِ خلافت۔ یہ چاروں حضرات سب سے اعلیٰ درجے کے کامل ومکمل ہیں اور ورائے نیابتِ نبوت میں شیخین (حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) کا پایہ ارفع ہے اور ورائے تکمیل ہونے میں حضرت مولا علی المرتضیٰ شیر خدا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا۔ واللہ اعلم۔'' [20]

پھر ایک مقام پر تفصیلاً دلائل ذکر کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فرماتے ہیں: ''جب ثابت ہو گیا کہ قرب الٰہی میں شیخین کو مزیت وتفوق ہے تو ولایت بھی انہیں کی اعلیٰ ہوئی۔'' [21]

''حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ولایت میں بھی افضلیت سے حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فاتح سلاسلِ طریقت ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فاتح سلاسلِ طریقت ہونا اس کا تعلق عالم ناسوت سے ہے۔ اس سے آپ کی ولایت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضلیت لازم نہیں آتی۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلفاء میں سے حضرت امام حسین اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سلاسل جاری ہوئے ہیں، حالانکہ حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی ولایت اور آپ کو جو اللہ تعالیٰ کا قرب میسر آیا وہ حضرت خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے بالیقین اتم اور اعلیٰ ہے ایسے ہی ظاہر احادیث سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر بھی فضیلت ثابت ہے۔'' [22]

پروفیسر صاحب، ان کے مبلغین اور کچھ غالی کارکنان کا رافضیت کی طرف جھکاؤ بلکہ قلبی لگاؤ اور ذہنی جھکاؤ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی۔ یہ لوگ بھولے بھالے سنیوں کو جنہیں رافضی کفریات کی وجہ سے رافضی مجالس اور ان کی بارگاہوں سے نفرت تھی رافضی ماحول میں لے جانے کیلئے پل کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ لوگ برملا رافضی نظریات سنی اجتماعات میں بیان کر رہے ہیں اور خارجیت کا ڈراوا دے کر لوگوں کو رافضیت کی بھینٹ چڑھا رہے ہیں، حالانکہ یہ لوگ دوسری طرف خارجیت کو بھی جسدِ اسلام کا ایک عضو قرار دے کر پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے

ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ رافضیت اور خارجیت ایک ہی کھوٹے سکے کے دو رُخ ہیں۔ یہ لوگ عوامی اجتماعات میں رافضیوں کی دلجوئی کے لیے اور اہلسنت کو شرمسار کرنے کیلئے مخصوص طریقے سے اہلسنت پر رافضیت کا تفوق ظاہر کرتے ہیں۔ یہ لوگ ٹوکنے پر یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ ہم ان کی مجالس میں تبلیغ کی خاطر اور حق بیانی کے لیے جاتے ہیں جبکہ یہ بات سراسر غلط ہے۔ کون آج اتنا احمق ہے جو کسی کو خود دعوت دے کہ آ میرے مجمع میں آ کر میرے لوگوں کو میرے مسلک سے اغواء کر کے لے جا؟ ایسا ہرگز نہیں بلکہ صورتِ حال یہ ہے کہ ایسے خطیبوں سے رافضیوں کی مکمل انڈرسٹینڈنگ (مفاہمت) ہے کہ تم ہلکا پھلکا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ذکر بھی کر دو تا کہ تم اپنی قوم کے پاس جا کر سچے بن سکو۔

رافضیوں کو صحابہ کے اس قدر ذکر سے نقصان نہیں ہے کیونکہ اس کے عوض میں وہ خطیب عوامِ اہلسنت کے لیے رافضیت قابلِ قبول بنا کر پیش کر رہا ہے۔ اس قرآنی ' ایمانی اختلاف کو چند متشدد لوگوں کی سوچ قرار دیتے ہوئے اختلافات بھلانے کا اعلان کر رہا ہے۔ اس طرح وہ خطیب اپنی مسجد میں جا کر سچا بھی ہو جائے گا ' اپنی فیس بھی کھری کرے گا اور بہت سے سنیوں کو اپنی چمک کے عوض رافضیوں کے پاس ہمیشہ کیلئے گروی بھی رکھ دے گا۔

نتائج سے واضح ہے کہ یہ طریقہ کار سنی کاز کیلئے کتنا نقصان دہ ہے۔ ان کے اس طرزِ عمل سے ایک بھی رافضی سنی نہیں بنا لیکن اس وبا سے اہل سنت کے سرسبز و شاداب گلشن سے کئی پتے پیلے ہوتے جا رہے ہیں جن کے گر جانے کا خطرہ ہے۔

ہم اہلسنت معاشرے میں امن و آشتی اور اخوت و محبت کے پیامی ہیں ' ہم اتفاق و اتحاد کے داعی ہیں لیکن پہرے دار اور چور کا اتحاد امانت میں خیانت کے زمرے میں آتا ہے۔ ہم فرقہ واریت کو زہرِ قاتل سمجھتے ہیں مگر مالی کا اپنے باغ پر حملہ آور کوؤں کے غول پر بے ساختہ چلانا فرقہ واریت نہیں بلکہ احساسِ ذمہ داری اور فرضِ منصبی کی ادائیگی ہے۔

﴿وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین﴾

﴿حوالہ جات﴾

۱) ﴿مشکوٰۃ شریف﴾ ص:565 ' حدیث:6102/ ﴿مسند امام احمد﴾ ج:۱ ' ص:162

۲) ﴿رجال کشی﴾ ج:۱ ' ص:234
۳) ﴿الملل والنحل﴾ ج:۱ ' ص:192
۴) ﴿حلیة الاولیاء﴾ ج:4 ' ص:75
۵) ﴿سیر اعلام النبلاء﴾ ج:5
۶) ﴿السیف الجلی علی منکر ولایت علی رضی اللہ عنہ﴾ ص:8
۷) ﴿کشف الغمه﴾ ج:۱ ' ص:62
۸) ﴿بخاری شریف﴾ حدیث:3455
۹) ﴿مناقب آل ابی طالب﴾ ج:3 ' ص:63
۱۰) ﴿جامع ترمذی﴾ ' حدیث:3680
۱۱) ﴿سورۃ اللیل﴾ آیت:17
۱۲) ﴿سورۃ الحجرات﴾ آیت:13
۱۳) ﴿الزلال الانقی﴾ ص:25
۱۴) ﴿سورۃ الحجرات﴾ آیت:3
۱۵) ﴿سورۃ الحج﴾ آیت:32
۱۶) ﴿کشف المحجوب﴾ آیت:32
۱۷) ﴿حجة اللہ البالغه﴾ ج:2 ' ص:585
۱۸) ﴿المقدمة السنية فی الانتصار للفرقة السنية﴾ ص:36
۱۹) ﴿فتاوی رضویه﴾ ج:29 ' ص:364-365
۲۰) ﴿ایضاً﴾ ص:233-234
۲۱) ﴿ایضاً﴾ ص:374
۲۲) ﴿ایضاً﴾ ص:374-375

ہم دے حشر چلیں گے شہ ابرار کے ساتھ
قافلہ ہو گا رواں قافلہ سالار کے ساتھ

مدحت خواجہ دیں مدحت سرکار کے ساتھ
زندگی گزری ہے کیفیت سرشار کے ساتھ

میں بھی وابستہ ہوں سرکار کے دربار کے ساتھ
خاک کا ذرہ بھی ہے عالم انوار کے ساتھ

بخت بیدار ہے یاور ہے مقدر اس کا
جس نے دیکھا ہے انہیں دیدۂ بیدار کے ساتھ

یہ تو طیبہ کی محبت کا اثر ہے ورنہ
کون روتا ہے لپٹ کر در و دیوار کے ساتھ

مل ہی جائے گا کوئی خوان کرم کا ٹکڑا
ہے تعلق جو سگان در سرکار کے ساتھ

اے خدا دی ہے اگر نعت نبی کی توفیق
حسن کردار بھی دے لذت گفتار کے ساتھ

جب کھلے حشر میں گیسوئے شفاعت ان کے
ہم سے عاصی بھی نظر آئیں گے ابرار کے ساتھ

میں یہ کہتا ہوں کہ تھا اُن کی نظر کا اعجاز
لوگ کہتے ہیں کہ دیں پھیلا ہے تلوار کے ساتھ

ایسا حج زحمت بے جا کے سوا کچھ بھی نہیں
عشق محکم نہ ہو گر احمد مختار کے ساتھ

شہر یثرب کا مسافر نہیں رہ میں تنہا
کارواں شوق کا ہے طالب دیدار کے ساتھ

گر مدینے کا تصور ہو تو ظلمت کیسی؟
ربط مضبوط رہے عالم انوار کے ساتھ

یہ نہ ہوتا تو نہ بچ سکتے تجلی سے کلیم
نور حضرت کا بھی تھا طور کے انوار کے ساتھ

ان کے جلووں نے کیا کون و مکاں کو روشن
حسن یوسف کا رہا مصر کے بازار کے ساتھ

پُل سے مجھ سا بھی گنہگار گزر جائے گا
ہوگی سرکار کی رحمت جو گنہگار کے ساتھ

رات دن بھیج سلام ان پہ ملائک کی طرح
پڑھ درود ان پہ غلامان وفادار کے ساتھ

دیکھ اے معترض نعت رسول عربی
قرب حساں کو ملا تھا انہی اشعار کے ساتھ

سب عطائیں ہیں خدا کی میرے مولا کے طفیل
ورنہ یہ لطف و کرم مجھ سے گنہگار کے ساتھ

ہم بھی مظہر سے سنیں گے کوئی نعت رنگیں
گر ملاقات ہوئی شاعر دربار کے ساتھ

فتنہ قادیانیت

مفتی عطاء اللہ نعیمی

برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں نے بڑی عیاری و مکاری سے اقتدار پر قبضہ جما کر مسلمانوں کو محکوم بنا دیا۔ 1857ء سے لے کر 1947ء تک جس قسم کے کربناک حالات سے مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا اور جس قسم کی ان کی زندگی مسلمانوں نے بسر کی اس کی کیا کیفیت تھی' یہ کوئی مخفی چیز نہیں۔ اس دوران سب سے بڑی مصیبت جو انہیں پیش آئی وہ یہ تھی کہ ہمارے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے اور اس کی بنیاد کو متزلزل کرنے کے لئے فرنگی سامراج نے کئی چالیں چلیں۔ اس نے ہمارے ایمان کی اساس کو کھوکھلا کر کے اس کا خاتمہ کرنا چاہا۔ اللہ تعالیٰ نے علماء و مشائخ ملت کو اور یہ دشمن کی ہر سازش کا پردہ چاک کیا۔ ہمارے محسنین نے بروقت اہل اسلام کو آگاہ کیا اور باطل کے ہر فتنے کا ہر میدان میں ڈٹ کر مقابلہ کیا اور مسلمانوں کے ایمان کو بچایا۔ ملت کے ان خیر خواہوں کی کاوشوں سے ہمیں غلامی کی ذلت سے نجات بھی ملی اور ہمارے ایمان بھی محفوظ رہے۔

ان فتنوں میں ایک بڑا فتنہ ''قادیانیت'' کے نام سے رونما ہوا جس کا بانی مرزا غلام احمد قادیانی (متوفی 1908ء) تھا جو 1839ء میں مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور' قصبۂ قادیان میں پیدا ہوا۔ شروع شروع میں اس نے ایک مناظر و مبلغ کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔ یہ وہ دور تھا جس میں مناظروں کا بہت رواج تھا۔ عیسائی پادری عیسائیت کی تبلیغ کرتے اور دینِ اسلام کی تردید کرتے۔ دوسری طرف آریہ سماج کے مبلغ بھی اسلام کے خلاف سرگرم تھے اور جنگ آزادی 1857ء کے بعد انگریزوں نے ہندوستانی عوام پر حکومت کرنے کے لیے جو پالیسی وضع کی اس کا بنیادی نقطہ یہ تھا کہ لڑاؤ اور حکومت کرو۔ [1]

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ انگریز جب ہندوستان آیا تو اس نے اپنے اقتدار کے حصول اور اس کے طوالت کی غرض سے مختلف اوقات میں مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو خریدا جیسے بنگال میں حصولِ اقتدار کے لیے میر جعفر کو اور میسور کے شیر (ٹیپو سلطان) کی جدوجہد کو ناکام بنانے کے لیے میر صادق کو خریدا۔ مسلمانوں کے عقائد کو برباد کرنے اور قتل و غارت کے ذریعے طاقت کو کمزور کرنے کے لیے اسماعیل دہلوی اور سید احمد رائے بریلی کو چنا۔

مسلمانانِ ہند کے دلوں سے انبیاء و اولیاء کی عقیدت اور محبت نکالنے کے لیے رشید احمد گنگوہی' خلیل احمد انبیٹھوی وغیرہم پر ہاتھ رکھا اور اہل اسلام کے قلوب سے عقیدۂ آخرت کو نکالنے اور ان کی زندگی کو بے مقصد ثابت کرنے کے لیے سر سید احمد خان سے کام لیا۔ مسلمانانِ ہند کے جذبۂ جہاد سے تنگ آکر اس کی منسوخی کو ثابت کرنے کے لیے غیر مقلد مولوی محمد حسین بٹالوی نام نہاد اہلحدیث کو منتخب کیا۔

غرض یہ کہ مسلمانوں کو ٹکڑوں' حصوں' جماعتوں میں تقسیم کرنا' ان کے عقائد برباد کرنا' ان کی طاقت ختم کرنا انگریز کا اولین مقصد رہا۔ اس مقصد کے لیے جہاں اس نے دیگر افراد کو منتخب کیا وہیں مرزا غلام قادیانی سے بھی معاہدہ کیا۔ چنانچہ محمد سلطان شاہ لکھتے ہیں: ''1880ء سے قبل مرزا صاحب اور انگریزوں کا معاہدہ ہو چکا تھا اور ان سے حواری نبی کا دعویٰ کرانے کے معاملات طے ہو چکے تھے۔ مرزا دجال نے نبوت تک پہنچنے کے لیے جو سیڑھی استعمال کی ﴿مامور من اللہ﴾ ہونا اس کا پہلا زینہ تھا''۔ [2]

مرزا نے اپنی کتاب [3] میں اس کا خود اقرار کیا ہے کہ ''میں انگریز کا خود کاشتہ پودا ہوں''۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''میں اپنے کام کو نہ مکہ میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں' نہ مدینہ میں' نہ روم میں' نہ ایران میں' نہ کابل میں مگر اس (انگریزی) گورنمنٹ میں جس کے اقبال کے لیے دعا کرتا ہوں''۔ [4]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس گروہ کو انگریز نے مسلمانوں میں افتراق و انتشار پیدا کرنے کے لیے اور اپنے مفادات حاصل کرنے کے لیے پیدا کیا' یہ انگریز کی پیداوار ہے۔

ایسے ماحول میں مرزا نے ایک کتاب دوسرے مذاہب کی تردید میں لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا چنانچہ اس نے 1879ء میں ''براہین احمدیہ'' لکھنا شروع کی۔ اس کتاب کی اشاعت کے ساتھ اس نے ایک اعلان بڑی تعداد میں اردو اور انگریزی میں شائع کر کے سلاطین' وزراء' پادری اور پنڈتوں کے پاس بھیجا جس میں اس نے اپنے ﴿مامور من اللہ﴾ ہونے کا دعویٰ کیا حالانکہ وہ ﴿مامور من اللہ﴾ نہیں بلکہ ﴿مامور من الشیطان﴾ اور ﴿مامور من الفرنگ﴾ تھا۔ اس کتاب نے ایک طرف دور اندیش علماء کے اذہان میں شکوک پیدا کر دیے اور دوسری طرف اس کتاب کو شہرت ملی۔ اس کے اپنے بیٹے مرزا بشیر کا بیان ہے ''براہین کی تصنیف سے پہلے حضرت مسیح موعود ایک گمنامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ دراصل براہین احمدیہ کے اشتہار نے ہی سب سے پہلے آپ کو ملک کے سامنے کھڑا کیا اور اس طرح علم دوست اور مذہبی اُمور سے لگاؤ رکھنے والے طبقہ میں آپ کا انٹروڈکشن (تعارف) ہوا''۔ [5]

مرزا غلام قادیانی خود اپنے اقوال اور فتاویٰ کی رو سے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔اس لیے ہم پہلے اس کے دعویٰ نبوت ورسالت کا ذکر کریں گے پھر ایسا دعویٰ کرنے والے کے لیے مرزا کا اپنا فیصلہ اور فتویٰ ذکر کریں گے تاکہ کسی کو حق ماننے اور تسلیم کرنے میں رتی برابر بھی تامل نہ رہے۔

مرزا قادیانی کا دعویٰ نبوت ورسالت:

● مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ ''سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا''۔ ۶

● اسی کتاب میں دوسرے مقام پر لکھتا ہے کہ ''خدا تعالیٰ جب تک طاعون دنیا میں رہے گو ستر برس رہے قادیان کو اس خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے''۔ ۷

● مرزا قادیانی لکھتا ہے: ''میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے مجھے بھیجا اور اُسی نے میرا نام ''نبی'' رکھا ہے''۔ ۸

● مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ: ''خدا تعالیٰ کی مصلحت اور حکمت نے آنحضرت ﷺ کے اضافۂ روحانیہ کا کمال ثابت کرنے کے لیے یہ مرتبہ بخشا ہے کہ آپ کے فیض برکت سے مجھے نبوت کے مقام تک پہنچایا''۔ ۹

اب جب کہ آپ نے پڑھ لیا کہ اس نے نبوت ورسالت کا دعویٰ کیا اور صراحۃً اپنے آپ کو نبی ورسول بتایا ہے تو دیکھیے کہ نبوت ورسالت کا دعویٰ کرنے والے کے لیے مرزا قادیانی خود کیا فیصلہ دیتا ہے۔گویا اپنے بارے میں اس کے اپنے فتاویٰ پڑھیے۔

حضور ﷺ کے بعد نبی ماننے والا شرارتی اور گستاخ ہے:

● مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ ''ختم نبوت کا بکمال تصریح ذکر ہے اور پرانے یا نئے نبی کی تفریق کرنا یہ شرارت ہے۔نہ حدیث میں نہ قرآن میں یہ تفریق موجود ہے اور حدیث ﴿لا نبی بعدی﴾ میں نفی عام ہے۔پس یہ کس قدر جرأت اور دلیری اور گستاخی ہے کہ خیالات رکیکہ کی پیروی کر کے نصوص صریحہ قرآن کو عمداً (جان بوجھ کر) چھوڑ دیا جائے اور ''خاتم الانبیاء'' کے بعد ایک نبی کا آنا مان لیا جائے اور بعد اس کے جو وحی نبوت منقطع ہو چکی تھی پھر سلسلۂ وحی نبوت کو جاری کر دیا جائے''۔ ۱۰

مرزا قادیانی کے ساتھ امت مسلمہ کا یہ سلوک امتیازی نہیں جیسا کہ آپ نے دیکھا اور اس پر تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کسی شخص نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا تو امت مسلمہ نے اس کے ساتھ یہی سلوک کیا کہ اسے کافر جانا۔وہ

لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اقتدار بخشا ہے' انہوں نے ان (غداران ختم نبوت) سے جنگ کی اور اس فتنے کے خاتمے کے لیے بھرپور کوشش کی۔خود نبی اکرم ﷺ کی ظاہری حیات میں بھی جن کی طرف سے یہ دعویٰ ہوا ان کو اس ملت میں شمار نہیں کیا گیا بلکہ ان کے خلاف جہاد کا حکم ہوا۔اسی طرح دور صحابہ خصوصاً خلافت راشدہ علی التخصیص حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور کو ملاحظہ کیجیے کہ ایسوں کے بارے میں ان کی رائے کیا تھی؟ ان کے خلاف کیا کیا عملی اقدام اٹھائے گئے اور بعد میں رونما ہونے والے ایسے فتنوں کو نابود کرنے کے لیے حکام اسلامی نے کیا کچھ کیا۔کوئی دوسروں کو تو یہ الزام دے سکتا ہے کہ انہوں نے ان لوگوں کے خلاف عملی قدم اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے اٹھایا ہوگا مگر حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان' پھر ان میں سید الصحابہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کہنا تو بہت دُور کی بات ہے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔پھر نبی ﷺ کے اقدامات کے بارے میں کیا کہیں گے؟ کیا کوئی مسلمان آپ ﷺ کے بارے میں اپنے دل میں اس کا ادنیٰ سے ادنیٰ' خفیف سے خفیف تر شبہ بھی لا سکتا ہے ہرگز نہیں۔

جب یہ بات ہے تو ماننا پڑے گا کہ اسلام کا اپنے پیروکاروں کو یہی حکم ہے کہ جب بھی کوئی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرے تو اسے اسلام سے خارج سمجھیں' مرتد جانیں اور اہل اقتدار پر فرض ہے کہ انہیں بزور طاقت نیست و نابود کر دیں۔ہمارے علماء نے یہی کیا' ہمارے مشائخ نے وہی کیا جو حکم تھا' ہماری سمجھ دار عوام نے وہی کیا جو ان کے دین کی ہدایات تھیں' تو کیا غلط کیا ہرگز نہیں۔باقی رہا بزور طاقت ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا تو وہ نہ ہو سکا۔اس لیے کہ اقتدار اُن کے ہاتھ میں نہیں تھا۔اس معاملے میں اگر کسی طبقے نے کوتاہی کی یا کر رہا ہے تو وہ ہمارا حکمران طبقہ ہے۔ ان پر جو فرض تھا وہ ان سے ادا نہ ہوا' اس کی بھی وجوہات تھیں اور ہیں۔وقت اور حالات اجازت نہیں دیتے کہ اس مقام پر اُن پر کلام ہو۔یہاں تو صرف بتانا یہ تھا کہ قادیانیوں کو کافر قرار دینا' مسلمان نہ سمجھنا' ملت اسلامیہ سے خارج جاننا صرف ان (قادیانیوں' مرزائیوں) کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر جھوٹے مدعی نبوت اور اس کے پیروکاروں کے لیے اسلام کا یہی ازلی وابدی حکم ہے۔ان کے لیے علماء ومشائخ اسلام کا یہی فیصلہ ہے' فقہاء کرام کا یہی فتویٰ ہے اور اہل اسلام کا یہی طرز عمل ہے۔ہاں! جن کے ایمان ضعیف ہو گئے یا جو لوگ غیر کے ہاتھ بک کر اسلام سے غداری کے مرتکب ہوئے وہ ان جھوٹے مدعیان نبوت اور ان کے پیروکاروں کے بارے میں ضرور نرم گوشہ رکھتے ہیں۔

﴿حوالہ جات﴾

۱۔ سید محمد سلمان شاہ ﴿مرزا غلام احمد قادیانی کے جھوٹے دعوے، ص:۱)

۲۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے جھوٹے دعوے، ص:۷ — ۳۔ تبلیغ رسالت، جلد ہفتم: ص:۱۹

۴۔ تبلیغ رسالت، جلد: ششم، ص:۴۹ — ۵۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے جھوٹے دعوے، ص:۶

۶۔ دافع البلاء، ص:۲۳۰ — ۷۔ دافع البلاء، ص:۲۱

۸۔ تتمہ حقیقۃ الوحی، ص:۶۸

۹۔ حقیقۃ الوحی، ص:۱۸۴، مرزا قادیانی کی حقیقت، ص:۸ — ۱۰۔ ایام الصلح، ص:۱۵۲

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

برستا نہیں دیکھ کر ابرِ رحمت
بدوں پر بھی برسا دے برسانے والے

مدینہ کے خطے خدا تجھ کو رکھے
غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مرے چشمِ عالم سے چھپ جانے والے

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو
کہ رستے میں ہیں جا بجا تھانے والے

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

ذرا کھائیں تیرے غلاموں سے الجھیں
ہیں منکر عجب کھانے غرانے والے

رہے گا یوں ہی ان کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

اب آئی شفاعت کی ساعت اب آئی
ذرا چین لے میرے گھبرانے والے

رضاؔ نفس دشمن ہے دم میں نہ آنا
کہاں تم نے دیکھے ہیں چندرانے والے

جعلی نبوت کا خاتمہ
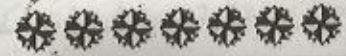
پروفیسر محمد سلیم

پروفیسر محمد سلیم ملک عزیز پاکستان کے معروف صحافی و دانشور تھے۔ آپ کئی سال روزنامہ نوائے وقت لاہور کے گوشۂ خاص ''سرراہے'' کے مدیر اور جھنگ کالج میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اقبالیات موصوف کا خاص عنوان تھا جس کی ایک جھلک پیش نظر مضمون میں عیاں ہے۔ درج ذیل مضمون میں مدعیان نبوت کا شاندار پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے جبکہ قوسین () میں بعض جگہ اہم اضافے ماہنامہ العاقب کی جانب سے کیے گئے ہیں۔

حضرت علامہ اقبال ہمارے پیر و مرشد ہیں۔ انہوں نے امت مسلمہ کے بارے میں یہ کہہ کر بات ختم کر دی ہے کہ

؎ دل بہ محبوب حجازی بستہ ایم
زیں جہت با یک دگر پیوستہ ایم

امت مسلمہ کو باہم پیوستہ کرنے والا رشتہ ہی حب رسول ﷺ ہے۔ جو شخص اس رشتہ کو کمزور کرنے کی کوشش کرے گا وہ اس امت کا دوست نہیں بلکہ دشمن ہوگا۔ وہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ عالم عربی کی حدود و ثغور بھی حضور ﷺ ہی کی ذات کی وجہ سے ہیں لہٰذا

؎ محمد ﷺ عربی سے ہے عالم عربی

عرب ممالک پہلے بھی موجود تھے لیکن عالم عرب حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد وجود میں آیا۔ لہٰذا عالم عرب ہو یا عالم اسلام ہو اس کی اساس حضور ﷺ کی ذات گرامی قدر ہی ہے۔ گر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است۔ جو شخص اس بنیاد کو کمزور کرے گا وہ بولہبی فرقے کا فرد شمار ہوگا۔ حضرت علامہ نے پنڈت جواہر لعل نہرو کے نام اپنے خط میں اسی لیے فرمایا تھا کہ احمدی (مرزائی، قادیانی) صرف اسلام ہی کے غدار نہیں بلکہ ہندوستان کے بھی غدار ہیں۔ انہوں (قادیانیوں) نے ایک ایسی حکومت (برطانیہ) کی تقویت کے لیے لٹریچر تیار کیا جس نے سات سمندر پار

سے آکر ہندوستان پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا۔ حضرت علامہ کے نزدیک فرقہ بہائی' قادیانیوں سے جدرجہ زیادہ مخلص اور بہتر ہے کیونکہ بہائی کھلے طور پر اسلام سے بغاوت کا اعلان کرتے ہیں لیکن قادیانی اسلام کے اندر رہ کر اس کی جڑیں کاٹنا چاہتا ہیں۔ ہم ذوالفقار علی بھٹو کے زبردست ناقد ہیں لیکن اس کی یہ خدمت کبھی نہیں بھول سکتے کہ اس نے (بحیثیت وزیراعظم) قادیانیوں کو اسلام سے خارج کر کے غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ یعنی جو کام قادیانیوں کو خود کرنا چاہیے تھا وہ حکومت کو کرنا پڑا۔ سوال یہ ہے کہ قادیانی جب نئی نبوت کا اجرا کر کے مسلمانوں سے علیحدہ ہو چکے ہیں تو وہ ان کے اندر رہنے پر کیوں مصر ہیں۔ اب بھی وہ مردم شماری کے موقع پر اپنے نام مسلمانوں کے طور پر لکھواتے ہیں اور خود کو غیر مسلم ماننے پر تیار نہیں ہیں۔ وہ مسلمانوں کے اندر رہ کر ان کی جڑیں کاٹنا چاہتے ہیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب ساری دنیا میں وہ غیر مسلم تسلیم کر لئے گئے ہیں۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب قادیانیوں کو ابھی غیر مسلم ڈکلیئر نہیں کیا گیا تھا کہ ہمارے کالج میں ایک قادیانی پروفیسر ہوا کرتے تھے جن کا نام رحمت علی تھا لیکن ''مسلم'' تخلص کرنے کے باعث وہ خود کو ''رحمت علی مسلم'' لکھا کرتے تھے۔ وہ پیریڈ پڑھانے کے لیے جس کلاس میں بھی جاتے طلباء ان کے پہنچنے سے پہلے بلیک بورڈ پر ان کا نام ''رحمت علی غیر مسلم'' لکھ دیا کرتے تھے۔ ہم نے اس وقت اندازہ لگا لیا تھا کہ ایک نہ ایک روز قادیانی غیر مسلم قرار پا جائیں گے کیونکہ زبان خلق نقارہ خدا ہوتی ہے۔

حضرت علامہ اقبال ختم نبوت کو خدا کا بہت بڑا احسان قرار دیتے ہیں کیونکہ اس ختم نبوت کے نظریے نے امت مسلمہ کو متحد رکھا ہوا ہے' وہ فرماتے ہیں کہ

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد
بر رسول ما رسالت ختم کرد

لا نبی بعدی ز احسان خدا است
پردۂ ناموس دین مصطفیٰ ﷺ است

قوم را سرمایہ ملت ازو
حفظ سر وحدت ملت ازو

چودہ صدیوں میں یہی عقیدہ ختم نبوت مسلمانوں کے اتحاد کا ضامن رہا ہے۔ نبوت کے کتنے ہی دعوے دار [illegible] لیکن امت مسلمہ نے کبھی انہیں درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ ہمارے نزدیک اگر کوئی مسلمان کسی مدعی نبوت [illegible] دعوے کے ثبوت میں کوئی (نا نبی) معجزہ یا دلیل طلب کرتا ہے تو وہ اپنی کمزوری ایمان کا مظاہرہ کرتا

ہے۔ (امام اعظم رحمۃ اللہ کے نزدیک مدعی نبوت سے اس کے دعویٰ نبوت کے متعلق دلیل طلب کرنا بھی کفر ہے۔) جب حضور اکرم ﷺ فرما رہے ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے' تو اب کسی مدعی نبوت سے یہ کہنا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ' درست نہیں ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ اس کی سچائی کے امکان کے قائل ہیں۔ جب کوئی نبی آ ہی نہیں سکتا تو خواہ کوئی مدعی نبوت سورج کو مشرق کی بجائے مغرب سے نکال کر دکھا دے ہم کیسے اس پر ایمان لا سکتے ہیں؟ اس لیے ہم مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوے کے رد میں زیادہ بحث و مباحثے کے قائل نہیں۔ ہمارے نزدیک اس کے جھوٹے ہونے کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ ہمارے حضور ﷺ نے فرما دیا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

ہم جھنگ کالج میں پڑھایا کرتے تھے۔ ہمارے ایک ساتھی پروفیسر نظام خاں بڑے بذلہ سنج آدمی تھے۔ ایک مرتبہ وہ ایف اے کے امتحان میں ناظم امتحان بن کر تعلیم الاسلام کالج ربوہ (موجودہ چناب نگر) تشریف لے گئے۔ وہاں انہیں پندرہ' بیس روز تک قیام کرنا پڑا۔ قادیانی رعب ڈالنے کے لیے اپنے بڑے لوگوں کی مہمانوں سے ملاقات کروایا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک روز سر ظفر اللہ خاں (قادیانی) جو ان دنوں عالمی عدالت کے جج تھے' نظام خاں صاحب سے ملنے آئے۔ انہوں نے خاں صاحب سے از راہ مروت پوچھا کہ آپ یہاں ہمارے مہمان ہیں آپ کو کوئی تکلیف تو پیش نہیں آئی؟ خاں صاحب نے جواب دیا کہ مجھے یہاں خطرہ ایمان تو محسوس نہیں ہوا لیکن خطرہ جان ضرور محسوس ہو رہا ہے۔ سر ظفر خاں نے حیران ہو کر پوچھا کیوں' کسی کی طرف سے آپ کو دھمکی ملی ہے یا کسی طالب علم نے نقل کرنے کے لیے آپ پر دباؤ ڈالا ہے؟ خاں صاحب فرمانے لگے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن یہاں کے پانی سے مجھے ''دست شریف'' (پیچش) لگ گئے ہیں۔ سر ظفر اللہ بات کی تہہ کو نہ پہنچ سکے۔ حیران ہو کر کہنے لگے کہ دست شریف؟ چہ معنی؟ خاں صاحب نے جواب دیا کہ جناب! چونکہ (آپ کے لیے) یہ ''پیغمبری بیماری'' ہے لہٰذا اس ڈر سے کہ کہیں اس کی توہین نہ ہو جائے یا آپ کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے میں نے ''دست شریف'' کہہ کر عزت سے اس کا نام لیا ہے۔ (یاد رہے! قادیانی دجال' مرزا غلام قادیانی جہنم کی طرف کوچ کرتے وقت اس عبرتناک حالت میں مردار ہوا کہ اس کے منہ اور مقعد سے پاخانہ (دست) جاری تھا۔) ظاہر ہے کہ اس کے بعد سر ظفر اللہ کو پروفیسر نظام خاں سے دوبارہ ملاقات کی جرأت نہیں ہوئی۔

سر ظفر اللہ کو اسی قسم کی شرمندگی ایک اور موقع پر بھی اٹھانا پڑی۔ جنیوا کے کسی ہوٹل میں وہ' قدرت اللہ شہاب اور ان کی بیگم کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ جب کوفتوں کی ڈش آئی تو قدرت اللہ شہاب کی بیگم کہنے لگی کہ خدا جانے

...یہ کیسا ہے؟! اس لیے میں تو نہیں کھاؤں گی۔ سر ظفر اللہ کہنے لگے کہ جب ہوٹل والے کہتے ہیں کہ یہ حلال گوشت کا ...ہے تو ...نہیں حضور کے اس فرمان پر عمل کرنا چاہیے کہ کھانے کے معاملے میں زیادہ شک وشبے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ بیگم شہاب کہنے لگیں کہ یہ ہمارے حضور ﷺ کا فرمان ہے یا آپ کے حضور کا؟! اگر ہمارے حضور ﷺ کا فرمان ہے تو سر آنکھوں پر! اس پر سر ظفر اللہ خان اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

مدعیان نبوت پہلے بھی پیدا ہوتے رہے ہیں لیکن آج تک نبوت کا کوئی ایسا دعویدار پیدا نہیں ہوا تھا جس نے ...قوت کے گماشتے کے طور پر نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ یہ شرف قادیان کے نبی کو حاصل ہے کہ اس نے ایک استعماری قوت (برطانیہ) کے ایجنٹ کے طور پر نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنی ممدوح قوت کی مدح میں کتابیں لکھ لکھ کر الماریاں بھر دیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس استعماری قوت کی رخصتی کے ساتھ ہی اس کی ایجنٹ نبوت بھی پاکستان سے رخصت ہو جاتی لیکن یہ ناخوشگوار فریضہ اہل پاکستان کو سرانجام دینا پڑا۔ ''پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا'' کے مصداق آج اسی جعلی نبوت کے خلیفہ برطانیہ میں مقیم ہیں اور عالم اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہیں۔ امت مسلمہ کو یقین ہے کہ جس طرح نبوت کے سابقہ دعویدار نسیاً منسیاً (بے نام ونشان) ہو چکے ہیں' اسی طرح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ خانہ ساز (قادیانی) نبوت بھی اپنے فطری انجام کو پہنچ جائے گی کیونکہ (فرمان نبوی ﷺ) ''لا نبی بعدی'' (میرے بعد کوئی نبی نہیں) کا یہی تقاضا ہے۔

﴿ماخوذ از: ثبوت حاضر ہیں' محمد متین خالد' ص: ۲۹ تا ۳۲﴾

تجدید سالانہ ممبر شپ برائے ماہنامہ العاقب

ماہنامہ ''العاقب'' کے تمام مستقل سالانہ ارکان کو اطلاع دی جاتی ہے کہ ان کی سالانہ ممبر شپ برائے 2008.2009 مکمل ہو چکی ہے۔ جنوری 2010ء سے رسالہ کی حسب معمول فراہمی کے لیے جلد از جلد مبلغ 300 روپے (برائے جنوری 2010ء تا دسمبر 2010ء) کے لیے ارسال فرمائیں اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور اشاعت دین متین کے مقدس مشن میں حصہ دار بن جائیں۔

قادیانیوں کے متعلق جامعۃ الازہر کا فتویٰ

عالم اسلام کی سب سے بڑی درسگاہ جامعۃ الازہر نے قادیانی عقائد درست ماننے والوں کو خارج از اسلام قرار دینے کا فتویٰ جاری کر دیا ہے۔ 3 صفحات کے فتویٰ میں جامعۃ الازہر کے مفتی شیخ محمد حسینی مخلوف نے کہا ہے کہ قادیانی جماعت اور قادیانی عقائد کے حاملین اسلام سے خارج ہیں' انہیں شعائر اسلام کے استعمال کی اجازت نہیں دی جا سکتی نیز قادیانی عقائد کو درست سمجھنے والے بھی اسلام سے خارج ہیں۔

فتویٰ میں کہا گیا ہے کہ قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد اور مختلف کتب میں درج اس کی تحریروں کے تفصیلی مطالعے کی بنیاد پر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ قادیانی عبادت گاہ کو مسجد قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی قادیانیوں کو شعائر اسلام کے استعمال کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

قادیانیوں کے عقائد کے حوالہ سے فتویٰ میں کہا گیا ہے کہ اسلام سے متعلق ان افراد کے عقائد گمراہ کن ہیں۔ قادیانی جماعت خطرناک منظم گروہ ہے اور اس کے اعتقادات کفر تک لے جانے کا باعث ہیں۔ فتوے کے مطابق مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریریں ونظریات نص قرآنی اور سنت رسول ﷺ کے منافی ومتصادم ہیں نیز قرآن وسنت کی مخالفت اس گروہ کا شیوہ ہے۔ جو کوئی بھی ان کے عقائد کو درست تسلیم کرے گا وہ اسلام سے خارج قرار پائے گا۔ فتوے میں شیخ محمد حسینی مخلوف نے لکھا ہے کہ امت کے اجماع کے خلاف نظریات وعقائد کے حامل اس گروہ سے مسلمانوں کو دور رہنا چاہیے۔ فتوے میں قادیانی عقائد کے حاملین کی مسجد میں داخلے کی بھی مخالفت کی گئی ہے جبکہ فتوے میں واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ قادیانی عقائد رکھنے والوں کے لیے وہ تمام احکامات قابل عمل ہوں گے جو کسی بھی غیر مسلم (کافر' مرتد' زندیق) پر نافذ کیے جا سکتے ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الأزهر الشريف
مجمع البحوث الإسلامية
لجنة الفتوى

الورقة الأولى

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم وبعد! - فتفيد اللجنة التي كتب بعد نظر السؤال الخاص بطائفة القاديانية، وموقف الإسلام من معتقدات هذه الطائفة والصلاة خلفهم.

الجواب

إن الفرق الزائفة المنشقة عن الإسلام والتي هي خطر عليه، ومحاولة منظمة لتأسيس طائفة جديدة تقوم على أساس نبوة منافسة للنبوة المحمدية فرقة القاديانية، وهذه الفرقة أسسها "ميرزا غلام أحمد" القادياني في القرن التاسع عشر في الهند.

ومعتقدات هذه الفرقة الضالة كلها تؤدي إلى الكفر، ومن معتقداتهم الباطلة:

أولاً: يزعم مؤسسها بأن روح المسيح حلت فيه، وأن ما يتحدث به هو كلام الله كالقرآن والسنة.

بسم الله الرحمن الرحيم

الأزهر الشريف
مجمع البحوث الإسلامية
لجنة الفتوى

الورقة الثانية

ثانياً: يزعم مؤسسها بأن المسيح سينزل آخر الزمان في قاديان، وقاديان هي الثالثة بعد مكة والمدينة.

ثالثاً: يزعم أتباع هذه الفرقة الضالة بأن الحج يكون إلى قاديان وليس إلى مكة.

رابعاً: يزعم مؤسسها أنه مكلف من الله بإصلاح الخلق على نهج المسيح، ويزعم بأن له إلهامات إلهية ومكاشفات إلهية ومن حججهم لقاديان يرون الآيات السماوية والخوارق.

خامساً: يزعم مؤسسها بأنه قد شهد القرآن والسنة النبوية له بالنبوة وقال أتاني الله ما لم يؤت أحداً من العالمين.

سادساً: من لا يدخل في بيعتهم ويعتنق أفكارهم يعامل ككافر.

ويكفي لضلال وكفر هذه الفرقة ادعاء النبوة بعد سيدنا محمد مخالفين بذلك

←

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الورقة الثانية

الأزهر الشريف

مجمع البحوث الإسلامية
لجنة الفتوى

نصوص القرآن الكريم والسنة النبوية وإجماع علماء الأمة الإسلامية بعد رسول الله، وإذا كانت هذه المعتقدات المنسوبة عن بعضهم آنفا لهم كانوا بها خارجين عن الإسلام باعتبارهم خالفوا كثيرا من الأمور المجمع عليها وبذا يجري عليهم أحكام غير المسلمين ومنها منع دخولهم المساجد قال تعالى [ما كان للمشركين أن يعمروا مساجد الله شاهدين على أنفسهم بالكفر] وقال تعالى [إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر] — سورة التوبة ١٧، ١٨ فيلزم الآن تصفيتها تكون من جهة المسلمين محرمة عليهم دخولها. والله أعلم

نقل بتصرف فتاوى الشيخ حسنين مخلوف ٨٦، ٨٧، ٨٨، ٨٩
وفتاوى فضيلة الشيخ جاد الحق ٥/١/٢٠٠٢
أمانة اللجنة

مفتی نور احمد شاہتاز اہلسنت وجماعت کے ممتاز محقق ومصنف ہیں۔ آپ کے والد گرامی علامہ عبدالرحمٰن مہری بھی ممتاز عالم دین تھے۔ مفتی صاحب گذشتہ دو عشروں سے جامعہ مسجد طیبہ پنجاب ٹاؤن کراچی میں قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کے پھول بکھیر رہے ہیں۔ مفتی صاحب نے اہلسنت کے روایتی جمود کو توڑتے ہوئے اپنی تحقیق کا رخ عصر حاضر کے جدید مسائل کی طرف کیا چنانچہ آپ کے قلم سے کاغذی کرنسی کی شرعی حیثیت، کریڈٹ کارڈ، کلوننگ، شیئرز کے کاروبار کی شرعی حیثیت، بینکوں کے ذریعے زکوٰۃ کٹوتی، تاریخ نفاذ حدود وغیرہ نامی کتب منصہ شہود پر آئیں۔ آپ اسکالرز اکیڈمی کراچی کے بانی وڈائریکٹر اور مجلہ ''فقہ اسلامی'' کے مدیر ہیں۔

پاکستان میں اگرچہ طلاق کے واقعات کا تناسب اتنا نہیں جتنا کہ دیگر ممالک میں ہے تاہم کچھ عرصہ سے طلاق کے واقعات میں قدرے اضافہ ہوا ہے۔ مشرقی لڑکیاں طلاق کا باعث عموماً بہت کم بنتی ہیں کیونکہ ان کے ذہن میں یہ بات بخوبی بیٹھ چکی ہوتی ہے کہ طلاق کی صورت میں ان کا مستقبل تاریک ہوگا اور معاشرہ میں نکاح ثانی کو جن نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اس کی بنا پر بھی کوئی پاکستانی لڑکی ایسی غلطی نہیں کرتی جس سے اس کا سہاگ اجڑ جائے۔ تاخیر سے رشتہ طے ہونے اور مناسب رشتہ کے انتظام میں جس ذہنی اذیت سے ایک بار لڑکی دوچار ہو چکی ہو وہ دوبارہ اس قسم کی صورتحال سے دوچار ہونے کے لیے کوئی خطرہ مول نہیں لیتی کیونکہ وہ جانتی ہے کہ اب معاملہ پہلے سے بھی دشوار ہوگا۔

ہمارے معاشرے میں لڑکیاں سسرالی گھر میں وہ سب کچھ برداشت کر لیتی ہیں جن کی اپنے گھر میں انہیں ہوا بھی نہیں لگی ہوتی اور جس کا انہوں نے کبھی خواب بھی نہیں دیکھا ہوتا۔ وہ اپنے شوہر کے علاوہ اپنے سسر، ساس اور دیگر سسرالی رشتہ داروں کی مقدور بھر بلکہ اس سے بھی زیادہ خدمت گزاری قبول کرتی ہے اور اس کے عوض صرف شوہر کی توجہ اور پیار چاہتی ہے جو کہ بہت کم کے حصہ میں آتا ہے۔

ہمارے معاشرے کی دیگر امور میں افراط وتفریط کے ساتھ ایک قباحت یہ بھی ہے کہ اکثر گھرانوں میں بہو ہی کو گھر کے سارے کام کاج کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے اور بہو کے گھر آتے ہی گھر کی خواتین سکھ کا سانس لینا چاہتی ہیں اور یہ سمجھنے لگتی ہیں کہ بس ان کے کام کاج سے ریٹائر ہونے اور آرام کرنے کا مرحلہ آگیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ یہ توقع رکھتی ہیں کہ ان کی بہو سب سے پہلے بیدار ہو اور گھر کی صفائی اور ناشتہ کی تیاری سے فارغ ہو کر دیگر لوگوں کو جگائے اور ان کی آنکھ کا تارا کہلائے' رات کو وہ سب سے آخر میں سوئے اور کسی کی بات پر اُف تک نہ کہے۔ بہو گھر میں لائی جانے والی ایک ایسی دیو مالائی شخصیت ہونی چاہیے کہ جس سے گھر کے چھوٹے سے بڑے تک ہر شخص چھوٹا بڑا ہر کام کہہ سکے اور اس کو انکار کی جرأت نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا اپنا کوئی مطالبہ نہ ہو اور نہ ہی وہ اپنی کسی خواہش کا دبے لفظوں میں بھی ذکر کرے' اسے جو کھانے کو دیا جائے کھالے اور جو پہننے کو ملے پہن لے' اس کی اپنی پسند ناپسند کا کوئی تذکرہ نہیں۔

بعض گھرانوں میں بہو پر اس قدر ذہنی دباؤ ہوتا ہے کہ وہ بے چاری جس کام کو بھی خلوصِ دل اور نیک نیتی سے انجام دینا چاہتی ہے اس میں کوئی نہ کوئی قباحت گھر والوں کو نظر آہی جاتی ہے۔ چنانچہ بسا اوقات صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے اور ساس بہو' نند بہو اور دیور بھاوج کے جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اور نوک جھونک بڑھتے بڑھتے نوبت طلاق تک جا پہنچتی ہے۔ طلاق کا سبب صرف گھریلو جھگڑے نہیں بلکہ یہ ان اسباب میں سے ایک ہے' اس کے علاوہ متعدد اسباب ہیں جو طلاق کا موجب بنتے ہیں' ان میں سے بعض اسباب ایسے ہیں جو معاشرہ میں وبا کی طرح پھیل کر عام ہو چکے ہیں' ان اسباب کا تدارک ہم سب کی معاشرتی ذمہ داری ہے۔

طلاق کے بعض عمومی اور اہم اسباب

❶ زوجین میں سے کسی ایک یا دونوں کا شریعت کے مقرر کردہ اصولوں سے انحراف وہ سب سے بڑا سبب ہے جو طلاق کے اسباب میں عموماً سرِ فہرست نظر آتا ہے۔ متعدد جوڑوں میں طلاق کی نوبت ایسے ہی کسی سبب سے آتی ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ طلاق کے 70 فیصد واقعات میں یہی سبب موجود ہوتا ہے تو مبالغہ نہ ہوگا مثلاً ایک خاتون اپنے شوہر سے پریشان ہے اور طلاق حاصل کرنا چاہتی ہے کیوں؟ اس لیے کہ اس کا شوہر نشہ کرتا ہے اور مے نوشی یا ہیروئن کا عادی ہو کر یا نئی سوسائٹی کا شکار ہو کر بے روزگار ہو گیا ہے اور گھر میں بچوں کے لیے کچھ نہیں ہے۔ خاتون خود کام کاج کر کے بچوں کا پیٹ پال رہی ہے اور اپنی عزت داؤ پر لگائے ہوئے ہے۔

کبھی کسی شوہر سے شکایت سننے کو ملتی ہے کہ بیوی صرف بے نماز ہی نہیں فلموں کی رسیا ہے اور گھر کے معاملات وعبادات سے اسے قطعاً کوئی سروکار نہیں۔ رات بھر ٹی وی، وی سی آر کے سامنے گزارنا اور صبح نصف النہار تک سوئے رہنا عام معمول ہے۔ سمجھانے بجھانے سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا ہے بلکہ معاملہ مزید بگڑ رہا ہے۔ اسی طرح کی شکایات عموماً اس حلقے سے ملتی ہیں جسے ہمارے ہاں اونچی سوسائٹی کے لوگوں کا حلقہ کہا جاتا ہے اور جو عرف عام میں پڑھا لکھا طبقہ کہلاتا ہے۔

❷ دوسرا بڑا سبب غصہ ہے۔ غصہ بھی کسی معقول بات پر نہیں بلکہ بہت ہی معمولی معمولی باتوں پر اور کبھی یہ غصہ اس قدر شدید ہوتا ہے کہ مرد لفظ طلاق کا استعمال کر بیٹھتا ہے اور پھر غصہ فرو ہونے پر لوگوں سے مسئلہ دریافت کرتا اور علماء سے غصے میں دی گئی طلاق کو طلاق نہ ہونے کا فتویٰ حاصل کرنے کے لئے مارا مارا پھرتا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو فتویٰ اور مسئلہ کی دریافت کا تکلف بھی نہیں کرتے اور محض اپنے اجتہاد یا عزیزوں' رشتہ داروں اور دوست احباب کے اس مشورہ کو صائب جانتے ہیں کہ غصے میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ چنانچہ دونوں ازدواجی زندگی گزارتے اور زناکاری کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔

بسا اوقات لڑائی جھگڑے اور روز روز کی ٹوکا ٹاکی سے تنگ آکر خاتون طلاق کا مطالبہ کر بیٹھتی ہے اور شوہر بھی اسے عزتِ نفس کا مسئلہ سمجھتے ہوئے طلاق دے ڈالتا ہے اور پھر اہل علم سے رجوع کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ طلاق تو ہو گئی' چنانچہ اب سوائے پریشانی کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

❸ تیسرا سبب زوجین کے اہل خاندان میں سے کسی کا ان کی پرائیویٹ (نجی) زندگی میں مخل ہونا ہے۔ بسا اوقات یہ مداخلت لڑکی کے والدین اور کبھی لڑکے کے والدین میں سے کسی کی طرف سے ایسی ہوتی ہے جو زوجین میں سے کسی ایک کو سخت ناگوار گزرتی ہے اور اس سے تلخیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اصلاح اور نصیحت کی خاطر پند ومواعظت کے انداز میں کبھی کبھار کچھ کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں مگر اس میں بھی یہ امر پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ دونوں میں سے کسی کو بھی دوسرے کے سامنے سخت سست نہ کہا جائے کیونکہ اس سے ان کی عزت نفس مجروح ہوگی اور زوجین کے مابین قائم وقار کو ٹھیس پہنچتی ہے۔

❹ طلاق کے اسباب میں سے چوتھا بڑا سبب جہالت ہے۔ لوگ دینی مسائل سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے شرعی احکامات سے جاہل رہتے ہیں اور اپنی جہالت کی بنا پر لفظ طلاق کا استعمال کرتے ہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اگر بالفرض طلاق کی نوبت آہی گئی ہے تو طلاق کس وقت اور کب دی جائے؟ کوئی بھی شخص طلاق دیتے

وقت یہ خیال نہیں کرتا کہ اس کی بیوی کن ایام سے گزر رہی ہے' الا ماشاء اللہ! شاید چند فیصد لوگ ہی یہ بات جانتے ہوں گے کہ طلاق ایام حیض میں نہیں بلکہ ایام پاکیزگی (طہر) میں دی جانی چاہیے۔ تعلق زوجیت کو منقطع کرنا اگر اتنا ہی ناگزیر ہو گیا ہے تو ایک مرتبہ ہی تین طلاق دے ڈالنا خود اپنے اوپر اور اپنی بیوی پر ظلم کے مترادف ہے۔ ایسے حالات میں جب طلاق کے سوا چارہ نہ ہو تو ایک طہر میں ایک طلاق دی جانی چاہیے تاکہ رجوع کا دروازہ کھلا رہے۔ ممکن ہے اس ایک طلاق کے بعد ہی زوجین میں سے قصوروار کو اپنے قصور کا ادراک ہو جائے اور واپسی کا راستہ اختیار کر سکے۔ یہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ پاکیزگی کے ایام میں بھی اس وقت طلاق دینا چاہیے جب ابھی ازدواجی رابطہ (جماع) نہ ہوا ہو اور جس طہر یا جن ایام پاکیزگی میں میاں بیوی جماع کر چکے ہوں ان میں طلاق نہ دی جائے بلکہ اس کے بعد ایام حیض گزرنے دیے جائیں اور جب نیا طہر (ایام پاکیزگی) شروع ہو تب طلاق دی جائے۔

زوجین کے درمیان کسی شکر رنجی کی صورت میں والدین اور اقارب کا فرض ہے کہ وہ جلد از جلد دونوں کے مابین صلح جوئی کی کوشش کریں اور معاملہ بگڑنے سے قبل ہی اپنا کردار ادا کر کے ایک مشکل مرحلہ سے خود ان کو اور ان کے بچوں کو بچائیں۔

غصہ کی صورت میں بھی عزیز و اقارب کا فرض ہے کہ وہ کسی ایک کے طرف دار بن کر مسئلہ کو مزید الجھانے کی بجائے عارضی طور پر دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر کے ان کا غصہ فرو کریں اور انہیں اس حدیث رسول ﷺ پر عمل کروائیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو غصہ آ جائے اسے چاہیے کہ وضو بنائے اور اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے' بیٹھا ہے تو لیٹ جائے۔

انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ طلاق کے بہت سے معاملات میں سبب بہت معمولی ہوتا ہے' مثلاً کسی خاص تقریب میں شرکت سے منع کرنے پر جھگڑا' کسی عزیز یا عزیزہ کی شادی میں مخصوص لباس نہ خریدنے یا حسب خواہش تحائف نہ لے جانے پر جھگڑا' کبھی گھر میں کسی کے آنے جانے پر پابندی میں اختلاف پر جھگڑا' کبھی محض شک کی بنا پر جھگڑا۔

اسلام نے ازدواجی معاملات میں پیدا ہونے والی مشکلات کا واحد حل طلاق تجویز نہیں کیا بلکہ اس کے متعدد مراحل بیان کئے ہیں ❶ سب سے پہلا مرحلہ سمجھانے بجھانے کا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے'' جن خواتین سے تمہیں حدود تعلق زوجیت پار کر کے سرکشی کا اندیشہ ہو انہیں نصیحت کرو' سمجھاؤ بجھاؤ''۔ ❷ دوسرا مرحلہ بستر الگ کرنے کا ہے کہ اگر نصیحت کارگر ثابت نہ ہو تو ان کے بستر الگ کر دو جسے قرآن کریم نے ﴿واهجروهن فى

المضاجع﴾ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے'' ان کو اپنے بستروں سے الگ کر دو''۔ ❸ اگر یہ ترکیب بھی کارگر ثابت نہ ہو تو پھر تیسرا مرحلہ زبانی کے بجائے عملی سرزنش کا ہے یعنی ہلکا پھلکا مارنا جسے قرآن کریم نے ﴿واضربوهن﴾ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے'' انہیں مارو''۔ ❹ چوتھا مرحلہ اس وقت آتا ہے جب سابق تینوں مرحلوں سے معاملہ آگے بڑھ گیا ہو اور صورتحال بے قابو ہو رہی ہو۔ اس مرحلہ میں دونوں جانب کے اعزہ کو جمع کیا جائے خصوصاً بڑوں' بزرگوں کو تاکہ وہ مل بیٹھ کر تصفیہ کرا دیں۔ اسے قرآن کریم نے ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے'' دونوں کے اہل خانہ میں سے حکم یعنی ثالث مقرر کر لئے جائیں جو دونوں کے بیان حاصل کر کے صلح کی کوشش کریں''۔ ❺ پانچواں مرحلہ ایلاء کا ہے اور ایلاء کے معنی ہیں طلاق کے بغیر مرد اپنی زوجہ سے رشتہ ازدواج منقطع کر لے۔ اس میں اسے اختیار ہے کہ حسب ضرورت خود مدت مقرر کر لے۔ ایک ماہ' دو ماہ' تین ماہ مگر یہ بائیکاٹ یا انقطاع تعلق چار ماہ سے زیادہ کا نہ ہو۔

❻ آخری مرحلہ طلاق کا ہے اور وہ بھی اس طرح جس طرح اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں سکھایا یعنی ایک طہر میں ایک طلاق نہ کہ یکبارگی (ایک ہی مرتبہ) تین طلاقیں۔

طلاق کے اسباب میں سے ایک سبب ایسا بھی ہے جس میں نہ تو کوئی شرعی مجبوری ہوتی ہے اور نہ ہی اخلاقی۔ طلاق صرف اس لیے دی جاتی یا دلوائی جاتی ہے کہ نکاح بٹے سٹے کا تھا۔ ایک جوڑے کا آپس میں نباہ نہیں ہو سکا اور ان کے درمیان طلاق تک نوبت پہنچ کر معاملہ ختم ہو گیا لہٰذا اب دوسرے جوڑے سے بھی مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ بھی اپنا ازدواجی رشتہ ختم کر لیں' اگرچہ وہ کتنے ہی پرسکون اور پرکیف ازدواجی تعلقات و ایام زندگی گزار رہے ہوں مثلاً زید کی شادی عمر کی بہن سلمہ سے اور عمر کی شادی زید کی بہن آمنہ سے ہوئی۔ اب اگر کسی وجہ سے زید نے عمر کی بہن سلمہ کو طلاق دے دی تو عمر کے گھر والے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ عمر بھی لازمی طور پر آمنہ کو فارغ کر دے کیونکہ زید نے سلمہ کو طلاق دے دی ہے۔ باوجود یہ کہ عمر اور آمنہ خوشگوار زندگی بسر کر رہے ہیں مگر معاشرتی جبر کا شکار ہو کر وہ اپنا گھر اجاڑنے پر مجبور ہیں۔ اس قسم کی طلاق کا مطالبہ کرنے والے کس قدر گناہ کے مرتکب ہوتے ہوں گے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے کیونکہ یہ سراسر ظلم اور زیادتی ہے۔

مطلقہ (طلاق شدہ) عورت سے معاشرتی ناانصافی:

ہمارے معاشرے میں ایک اور بُرائی مطلقہ کے بارے میں عام ہے اور وہ یہ کہ'' اگر اتنی ہی اچھی ہوتی تو طلاق کیوں پاتی؟'' یہ کوئی نہیں سوچتا کہ اس طلاق میں قصوروار کون رہا ہوگا' اسباب کیا رہے ہوں گے؟ بس ایک ہی بات طے شدہ ہے کہ لڑکی ہی میں کوئی خرابی ہوگی۔

ہم کیوں نہیں سوچتے کہ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ لڑکا جنسی طور پر نا اہل نکلا ہو یا نشہ کا عادی ہو یا اس کی مرضی کے بغیر والدین نے شادی کر دی ہو اور اس نے اس لیے طلاق دے ڈالی ہو یا جس قسم کی بیوی کا تصور اس نے اپنے ذہن میں بٹھا رکھا تھا وہ اس کے برعکس ثابت ہوئی ہو اور اس کے خوابوں کی ملکہ کوئی اور ہو۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ لڑکے نے اس شریف لڑکی سے کسی غیر اخلاقی وغیر شرعی امر کا تقاضا کیا ہو اور لڑکی نے بے غیرت بننے پر طلاق حاصل کرنے کو ترجیح دی ہو۔

کیا ہمارے معاشرے میں ایسے واقعات نہیں ہوتے کہ لڑکا اپنی بیوی سے بے پردہ اپنے یاروں دوستوں میں گھل مل جانے کا تقاضا کرتا ہو اور وہ کسی ایسے شریف خاندان کی ہو جہاں غیر مردوں نے کبھی قدم رکھنے کی جرأت نہ کی ہو۔

کیا اس معاشرے میں اس قسم کے واقعات نہیں ہوتے کہ ایک لڑکی اپنے گھر میں سخت پردہ کا اہتمام کرتی تھی مگر میاں کے گھر آ کر اس سے یہ تقاضا کیا جاتا ہے کہ وہ وہاں کے لوگوں اور اس خاندان والوں کے رواج کا احترام کرتے ہوئے برقعہ اور چادر اتار پھینکے؟

جہاں اس قدر افراط و تفریط ہو وہاں صرف لڑکی کو مورد الزام ٹھہرانا اور اس کے بارے میں یہ طے کر لینا کہ یہی قصوروار ہوگی کہاں کا انصاف ہے؟

خدارا! حقائق کی دنیا میں آیئے اور اپنے معیارات تبدیل کیجیے' مفروضات پر نتائج کی عمارت کھڑی کرنے کی بجائے معاشرتی بے راہ روی کو پیش نظر رکھتے ہوئے واقعات کا تجزیہ کیجیے۔

طلاق یافتہ لڑکیوں کے بارے میں ہمارے معاشرہ میں جس قدر تنگ نظری اور بدگمانی پائی جاتی ہے اس کا تدارک اس لئے بھی ضروری ہے کہ اسلام کے سنہری اصولوں کو پھیلانے اور عام کرنے کا عمل زندگی کے ہر شعبہ میں جاری ہو۔ کیا نبی اکرم ﷺ نے مطلقہ عورتوں سے نکاح نہیں کیے؟ خود آپ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا' جنہیں ان کے پہلے شوہر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دی تھی۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی حضور ﷺ کی وہ زوجہ محترمہ ہیں جو پہلے مسافع بن صفوان کے عقد میں رہ چکی تھیں اور غزوہ مریسیع کے موقع پر اسیر ہو کر مدینہ منورہ آئی تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ان سے نکاح کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں فرمائی۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آپ کی زوجیت میں آنے سے قبل مسعود بن عمرو بن عمری ثقفی سے علیحدگی اختیار کر کے ابو رہم بن عبد العزیٰ کے نکاح میں آئیں اور ابو رہم کے انتقال کے بعد حضور ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح سلام بن مشکم القرظی سے ہوا تھا' وہاں سے طلاق ہوئی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں۔ کنانہ کے غزوہ خیبر میں مارے جانے کے بعد حرم نبوی ﷺ میں داخل ہوئیں۔ ان ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے کبھی کسی ایسے گمان کا اظہار نہیں فرمایا جس سے ان کے مطلقہ ہونے کو مطعون کیا جا سکے۔

مگر اس کا کیا کیا جائے کہ ہم مسلمان ہو کر بھی نبی اکرم ﷺ کی پیروی نہیں کرتے اور اپنی روش ترک کرنے پر سنجیدگی سے نہیں سوچتے بلکہ مطلقہ کو ہی مطعون ٹھہراتے ہیں۔

اسبابِ طلاق کا ازالہ و حوصلہ شکنی:

ضرورت اس امر کی ہے کہ طلاق کے معاملات میں انتہائی صبر و احتیاط سے کام لیا جائے' طلاق کے اسباب کے ازالہ کی ہر سطح پر کوشش کی جائے' نئے شادی شدہ جوڑوں کو ایک دوسرے کے حقوق و فرائض سمجھائے جائیں' سسرال والے بہوؤں کو اپنی بیٹیوں کی طرح ہی سمجھیں اور ان کے ساتھ وہی سلوک کریں جو اپنی بیٹی کے ساتھ سسرال والوں کے ہاں ہوتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ شوہر ان کے اہل خانہ زوجہ اور بہو سے اس قسم کی خدمات کی توقع نہ کریں جنہیں وہ اپنی بچیوں کے لئے ناگوار خیال کرتے ہوں۔ مطلقہ (طلاق یافتہ) عورتوں کو ہر صورت میں قصوروار گردانے اور انہیں مطعون کرنے کی بجائے ٹھنڈے دل سے ان شکستہ دلوں کے معاملات کا جائزہ لیں اور انہیں نفسیاتی مریض بننے سے بچائیں۔

بچوں اور بچیوں کو شادی سے قبل و بعد نکاح اور طلاق کے مسائل لازمی طور پر سکھائے اور پڑھائے جائیں۔ چھوٹی عمر سے ہی بچوں میں دینی رجحان پیدا کرنے کی کوشش کریں اور گھر کا ماحول مصنوعی اور رومانک بنانے کی بجائے قدرتی اور حقیقی بنائیں تاکہ بچوں میں فطری اسلامی جذبہ بیدار ہو اور اسلامی اصولوں سے آشنائی و روشناسی کی طلب پیدا ہو۔ اسلامی اقدار کی پاس داری بہت سے دکھی گھرانوں کو سکون و راحت کی وہ دولت مہیا کر سکتی ہے جس کی تلاش میں لوگ فلموں' ڈراموں' منشیات اور دیگر منفی سرگرمیوں میں اپنا وقت' مال اور آبرو برباد کرتے ہیں۔

پیش نظر مضمون کی پہلی قسط سابقہ شمارے میں شائع ہو چکی ہے۔ پہلی قسط میں صاحب مضمون نے ہجری تقویم کے پس منظر، آغاز، ضرورت، اہمیت اور خصوصیات پر اپنا نقطہ نظر تحقیقی انداز میں پیش کیا ہے۔ موجودہ قسط میں ہجری تقویم اور محرم الحرام سے ابتداء کے متعلق مزید تحقیق پیش خدمت ہے۔

﴿قسط: دوم﴾

محرم سے سال کا آغاز:

پھر یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ ہجرت ربیع الاول میں ہوئی تھی اور عربوں کے رواج کے مطابق ان کے سال کا آغاز محرم سے ہوا کرتا تھا۔ اس لیے علامہ شبلی کی رائے کے مطابق تقریباً سوا دو مہینے پیچھے ہٹتے ہوئے محرم الحرام سے سنِ ہجری کا آغاز کرلیا گیا۔(۳۹) دوسری رائے اس مسئلے میں یہ ہے کہ ہجرت کے ارادے اور اس سفر کی منصوبہ بندی کی ابتداء محرم ہی سے ہوئی تھی کیونکہ بیعت عقبہ ذی الحجہ کے وسط میں ہوئی تھی۔(۴۰) یہی بیعت ہجرت مدینہ کی تمہید اور نقطہ آغاز تھا اور اس کے بعد پہلا مہینہ محرم ہی تھا(۴۱) ابونعیم کی روایت میں ابوموسیٰ سے مروی ہے کہ پھر یہ تجویز پیش ہوئی کہ رمضان سے آغاز ہو یا محرم سے۔ محرم کو اس لیے قبول کرلیا گیا کہ فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد حجاج کی واپسی اسی مہینے میں ہوتی تھی۔(۴۲) ابن سیرین سے ابن ابی خثیمہ نے نقل کیا ہے کہ بعض نے رجب سے آغاز کی تجویز پیش کی تھی اور بعض نے رمضان سے اور بعض نے محرم سے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ﴿ارخوا من المحرم' فانه شهر حرام' وهو اول السنة' ومنصرف الناس من الحج﴾ ''محرم سے تاریخ کا آغاز کرو کیونکہ یہ مہینہ اشہر حرام میں سے ہے اور (عرب کے رواج کے مطابق بھی) یہ سال کا پہلا مہینہ ہے اور حج سے لوگوں کی واپسی بھی اسی مہینے میں ہوتی ہے''۔(۴۳) علامہ منصور پوری نے بھی اس تجویز کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب کیا ہے۔(۴۴)

عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ﴿ان المحرم شهر الله وهو راس السنة يكسى البيت، ويؤرخ به الناس﴾ (۴۵) ''بلاشبہ محرم اللہ کا مہینہ ہے، اسی سے سال کا آغاز ہوتا ہے اور بیت اللہ کا غلاف تبدیل کیا جاتا ہے اور اسی سے لوگ تاریخ کا حساب رکھتے ہیں''۔

سعید بن منصور نے ''سنن'' میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں سورۃ الفجر کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ﴿هو فجر المحرم فجر السنة﴾ (۴۶) ''والفجر میں فجر سے مراد محرم کی فجر ہے جس سے سال کا آغاز ہوتا ہے''۔ بعینہ یہی قول حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔(۴۷)

جبکہ سہیلی کا کہنا ہے کہ صحابہ کرام نے ہجرت نبوی ﷺ کو اسلامی تقویم کا نقطہ آغاز قرار دینے کے لیے اس حکم قرآن کو بھی پیش نظر رکھا ہے جو اہل قبا کی شان میں وارد ہوا ہے۔ سورۃ التوبہ فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿لمسجد اسس على التقوى من اول يوم احق ان تقوم فيه﴾ ''البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد روز اول سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی ہے، اس لائق ہے کہ آپ اس میں (نماز کی غرض سے) کھڑے ہوں''۔

یہ بات تو معلوم ہے کہ اس آیت میں ''اول یوم'' سے مطلق یوم مراد نہیں ہے۔ اس سے یہ متعین ہو گیا کہ یہ کسی مضمر شے کی طرف مضاف ہے اور وہ اول روز وہی ہو سکتا ہے جب اسلام کو عزت ملی اور نبی کریم ﷺ نے امن واطمینان کی حالت میں اپنے پروردگار کی عبادت کی اور اس کی ابتداء بنائے مسجد سے ہی ہوئی تھی۔ اس امر سے اور صحابہ کرام کی رائے سے یہ سمجھا کہ اول یوم سے یہاں اسلامی تاریخ کا روز اول مراد ہے۔(۴۸) ابن حجر کے بقول اس سے متبادر یہی معنی ہیں کہ ''اول یوم'' سے مراد مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے داخلے کا روز اول ہے۔(۴۹) زرقانی نے ابن منیر کے حوالے سے سہیلی کی توضیح کو تکلف وتعسف قرار دیا ہے۔(۵۰)

نتیجہ گفتگو یہ ہے کہ چونکہ عام طور پر عربوں کے ہاں بھی سال کا آغاز محرم الحرام سے ہوتا ہے، اس لیے اسلامی تقویم کے لیے بھی اسی کو اختیار کرلیا گیا اور یہ مشورہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیا اگرچہ اس کی توجیہات اور بھی ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔

تقویم اسلامی کے نفاذ میں تاخیر کی وجوہ:

عام انسانی ضرورت کے پیش نظر چاہیے تو یہ تھا کہ اسلامی تقویم کا آغاز اسی وقت ہو جاتا جب مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی تھی لیکن آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں تو اور دوسری نوعیت کی مصروفیات ہی

اس قدر ہیں کہ اس جانب توجہ ہی نہیں دی جاسکی۔ پھر چونکہ اس وقت اسلامی سلطنت کا بالکل آغاز تھا، اس لیے غالباً ایسی فوری کوئی ضرورت بھی سامنے نہیں آئی جو مسلمانوں کو اس مسئلے پر غور وفکر کے لیے آمادہ کرتی۔ آپ ﷺ کے بعد خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عہد مبارک آیا۔ یہ دور مدت میں کم ہونے کے ساتھ ساتھ لاتعداد اندرونی سازشوں اور بیرونی شورشوں میں گھرا ہوا تھا جن سے عہدا برا ہونا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کا کام تھا۔ وہ ان کی جانب متوجہ رہے اور یہ اہم کام فوری ضرورت نہ ہونے کے سبب ان کی ترجیحات میں نہ آسکا۔

جب خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور مبارک آیا تو اس وقت ایک تو سابقہ تمام رکاوٹیں بھی دور ہو چکی تھیں، دوسرا پھیلتی ہوئی سلطنت کے ساتھ حکومتی اور انتظامی امور بھی وسعت اختیار کر چکے تھے اور ہر شعبے میں اصلاحات، ترقیاتی کام اور تعمیراتی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ اس بنا پر ایک تقویم کی ضرورت محسوس کی گئی... اس طرح تقویم اسلامی کا آغاز ہوا اور یہ افضلیت وشرف بھی ان ہی کے حصے میں آیا۔(۵۱) جیسا کہ ایک روایت بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جمع کر کے فرمایا کہ مال بہت زیادہ ہونے لگا ہے اور ہماری تقسیم کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے، آخر اس کو ٹھیک ٹھیک یاد رکھنے کی کیا تدبیر کی جائے۔(۵۲) اس کے بعد مشورے سے یہ طے پایا۔

تقویم اسلامی کی خصوصیات:

آخر میں اسلامی ہجری قمری تقویم کا دیگر تقویموں سے تقابل کرتے ہوئے اس کے امتیازات اور خصوصیات بیان کیے جاتے ہیں۔ یہ خصوصیات ذیل ہیں:

● اسلامی تقویم کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ آغاز سے اب تک یہ اپنی مجوزہ صورت پر قائم ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی چونکہ یہ شرعی اور دینی تقویم ہے۔ اس لیے اس میں ترمیم کا حق کسی فرد بشر کو حاصل نہیں؛ یہ خصوصیت غالباً دنیا کی کسی دوسری مروجہ تقویم اور سن میں نہیں پائی جاتی۔(۵۳)

● دوسری خصوصیت یہ ہے کہ متداول ہونے اور استعمال کے لحاظ سے بھی تقویم ہجری دنیا کے اکثر مروجہ سنین سے قدیم ہے۔ اگر چہ وہ سنین اپنے اعداد کے اعتبار سے ہجری تقویم سے زیادہ پرانے معلوم ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ذیل کی صورتوں پر غور کیجیے۔

① یکم محرم 1 ہجری مطابق 16 جولائی 5335 جولین بنتا ہے۔ اس طرح جولین پیریڈ کا سن بظاہر سن ہجری

سے 5334 برس پہلے کا معلوم ہوتا ہے حالانکہ یہ تقویم حقیقت میں سن ہجری سے 989 برس بعد 1582ء میں وضع ہوئی ہے۔

② یکم محرم 1 ہجری کو 3 آب 4382 عبری تھا۔ اس طرح بظاہر یہ سن ہجری سے 4381 برس پہلے کا معلوم ہوتا ہے حالانکہ یہ 1582ء میں وضع ہوا ہے۔

③ سن کل جگ سن ہجری سے 3723 سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے مگر مغربی مورخین اور ہیئت داں تسلیم کرتے ہیں کہ یہ سن چوتھی صدی ہجری میں وضع کیا گیا تھا، یعنی اپنے حساب سے 34 صدیاں گزرنے کے بعد اس کا آغاز ہوا تھا۔

④ سن سکندری سن ہجری سے 932 سال پہلے کا ہے مگر اپنی موجودہ ہیئت میں نوزائیدہ ہے۔ یہ شروع میں کئی صدیوں تک قمری مہینوں پر چلتا رہا ہے۔ بعد میں اسے شمسی مہینوں میں تبدیل کر دیا گیا۔

⑤ سمت بروشنہ کے مطابق یکم محرم 1 ہجری کو 26 ساون سمت 679 تھا۔ اس لیے بظاہر سمت بروشنہ سن ہجری سے 678 پہلے کا معلوم ہوتا ہے مگر ہندو اور مغربی محققین کی تحقیقات کے مطابق اس کا آغاز 898 بروشنہ سے ہوا ہے۔ اس طرح یہ سن ہجری کے 225 سال بعد شروع ہوتا ہے۔(۵۴)

● اسلامی تقویم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ تقویم کسی خاص شخصیت سے وابستہ نہیں ہے بلکہ ایک ایسے واقعے سے اس کا تعلق ہے جو پورے مذہب اسلام کے حوالے سے اپنی اہمیت رکھتا ہے۔ یوں اس کی بنیاد روحانی بھی ہے۔ یہ خصوصیت رائج الوقت دیگر تقاویم میں نہیں ہے۔ معروف ریاضی داں البیرونی آثار الباقیہ میں لکھتا ہے۔ ''قوموں کا طریقہ اس بارے میں یہ رہا ہے کہ بانیانِ حکومت ومذاہب کی پیدائش، بادشاہوں کی تخت نشینی، انبیاء کی بعثت، ملکوں کی فتح وتسخیر، سلطنت کے انقلاب وانتقال اور حوادثِ عظیمہ ارضیہ سے تواریخ سنین کی ابتداء کیا کرتے ہیں''۔(۵۵)

چنانچہ ایسے بہت سے سنین جو اس دور میں رائج تھے یا آج موجود ہیں وہ کسی نہ کسی شخصی واقعے کی طرف منسوب ہیں مثلاً:

① بابلی سن بخت نصر اول کی پیدائش کے وقت سے شروع کیا گیا تھا ② یہودی سن کا مصر سے خروج کے واقعے سے آغاز ہوتا ہے ③ سنِ عیسوی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے شروع ہوا ④ رومی سن پہلے پہل سکندر اعظم کی پیدائش اور پھر آگسٹس کی پیدائش سے شروع ہوا ⑤ ہندوستانی سن

یعنی بکر ماجیت کی پیدائش سے شروع کیا گیا 6 ایرانیوں میں بھی جس قدر سن رائج ہوئے ان سب کی ابتداء پیدائش، تخت نشینی اور کسی ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں انتقال حکومت کے واقعے سے ہوتی ہے اور اس رسم کے بانی اور موسس بھی ایرانی ہی ہیں کہ ہر بادشاہ گزشتہ سن منسوخ کر کے اپنی تخت نشینی کا نیا سن جاری کرے اور اسے سنِ جلوس کہا جائے (۵۶) 7 عربوں میں لکھنے پڑھنے کا کوئی خاص رواج نہ ہونے کی وجہ سے ان کا خاص سن نہیں تھا بلکہ وہ مخصوص واقعات کے اعتبار سے اپنے سالوں کا حساب رکھا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی ولادت سے قریب کے زمانے میں ابرہہ کا حملہ عرب کا خاص واقعہ تھا، اس کا اعتبار کرتے ہوئے ان کے ہاں عام الفیل رائج تھا۔ اس کی کچھ تفصیل پہلے گزری ہے۔

- ہجری قمری تقویم میں ہفتے کا آغاز جمعۃ المبارک سے ہوتا ہے۔ (۵۷)
- ہجری تقویم میں شرک، نجوم پرستی یا بت پرستی وغیرہ کا شائبہ تک نہیں ہے۔ اس کے مہینوں اور دنوں کے ناموں کو کسی دیوی یا دیوتا سے کوئی نسبت نہیں۔ (۵۸)
- سابقہ شریعتوں میں بھی دینی مقاصد کے لیے یہی قمری تقویم رائج تھی۔ بعد میں لوگوں نے اس میں تحریف اور ترمیم کرتے ہوئے اسے قمریہ شمسی یا صرف شمسی تقویم میں بدل ڈالا۔ لیکن ہجری اسلامی قمری تقویم الحمدللہ ہر طرح کے تغیر وتبدل سے محفوظ ہے۔ (۵۹)

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

نصاریٰ نجران کی جو روایت سخاوی کے حوالے سے پہلے بیان ہوئی اس میں یہ بھی مذکور ہے ﴿فان ثبت فیکون عمر متبعا لا مبتکرا﴾ (۶۰) یعنی اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ تقویم کا آغاز حضور اکرم ﷺ نے خود فرمایا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تقویم ہجری کے سلسلے میں آپ ﷺ کی پیروی کرنے والے ہوں گے اس کے بانی وموجد نہیں۔ اس سے بعض حضرات (۶۱) کو یہ غلط فہمی ہوگئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تقویم ہجری کا آغاز نہیں کیا تھا بلکہ اس کا آغاز آپ ﷺ کے دور میں ہی ہو چکا تھا۔ قرائن وشواہد کے رو سے یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اکثر روایات کی موجودگی میں تنہا اہل نجران کی روایت کی بنیاد پر یہ فیصلہ کرنا درست نہیں۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل امور کو پیش نظر رکھنا چاہیے:

1 اس روایت میں ذکر ہے کہ اہل نجران کو جب آنحضرت ﷺ نے خط لکھا تو اس میں آپ ﷺ نے

تاریخ لکھنے کا حکم دیا تھا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اہل نجران کے نام آپ ﷺ کے کئی خطوط، حدیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ (۶۲) ان میں کسی میں بھی کوئی تاریخ مذکور نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ سے تعلق رکھنے والی ہر بات اور ہر چیز کی صحابہ کرام علیہم الرضوان اور بعد کے مسلمانوں نے جس طرح حفاظت کی ہے، اس کے پیش نظر یہ باور کرنا ممکن نہیں کہ انہوں نے اس تاریخ کا ذکر نہیں کیا ہوگا۔

2 آپ ﷺ نے 6 ہجری اور اس کے بعد مختلف سلاطین کو دعوتی خطوط تحریر فرمائے تھے۔ ان میں سے چھ خطوط اب بھی اپنی اصل حالت میں محفوظ ہیں اور ان کے عکس متعدد کتب میں شائع ہو چکے ہیں۔ (۶۳) ان میں کہیں بھی کوئی تاریخ درج نہیں ہے حالانکہ نصاریٰ نجران کو آپ ﷺ نے یہ خط 5 ہجری میں ارسال فرمایا تھا (۶۴) اس اعتبار سے بعد کے تمام خطوط میں تاریخ درج ہونی چاہیے تھی۔

3 اس روایت کو قبول کرنے والوں نے سخاوی کے جس قول کو دلیل بنایا ہے وہ خود اس بارے میں اپنی رائے کو حتمی قرار نہیں دیتے بلکہ صرف روایت ذکر کر کے یہ کہتے ہیں ﴿فان ثبت فیکون.....﴾ یعنی اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم ﷺ کا متبع قرار دیا جائے گا لیکن دیگر روایات سے یہ بات ثابت نہیں ہے۔

4 سب سے اہم بات یہ ہے کہ اگر یہ معاملہ حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں طے ہو گیا تھا تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کس بارے میں مشورہ کیا تھا، جس کے متعلق روایات بالکل واضح اور اس کثرت سے ہیں کہ ان کے مقابلے میں کسی شاذ یا ثانی روایت کو ترجیح دینا ممکن نہیں۔

5 ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''نبی کریم ﷺ کے مدینے آنے تک وہاں تاریخ کا دستور نہ تھا، چنانچہ اہل مدینہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے ایک مہینہ، دو مہینے شمار کرنے لگے اور ان کا یہی چلن رہا تا آنکہ رسول اللہ ﷺ کا زمانہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے چار سال بھی یوں ہی گزرے۔ اس کے بعد تاریخ وضع کی گئی''۔ (۶۵)

6 امام احمد، امام بخاری، ابن عساکر، ابن سیرین، حاکم، سعید بن المسیب، ابن حجر وغیرہ کی روایات اور ذاتی آراء (۶۶) سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ سلسلہ تقویم اسلامی کے موسس حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان ہی کے عہد مبارک میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مشورے سے یہ تقویم وضع کی گئی۔

ان نکات کی روشنی میں اس بارے میں نصاریٰ نجران والی روایت پر کوئی اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

خلاصہ بحث:

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ اور عہد مبارک میں ضرورت نہ ہونے کے سبب اسلامی تقویم کا آغاز نہ ہوسکا۔ آپ ﷺ کے بعد عہد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مختصر ایام میں بھی گوناں گوں مشکلات اور مہمات کے سبب اس جانب توجہ نہ دی جاسکی۔ عہد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں جب ضرورتیں بڑھیں اور اسلامی ریاست وسیع ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی توجہ اس جانب مبذول ہوئی۔ انہوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مشورے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے سے ہجرت نبوی ﷺ کو اسلامی تقویم کا آغاز قرار دے کر اس سے اسلامی سال کا آغاز کیا۔ چونکہ ہجرت مدینہ ربیع الاول میں ہوئی تھی اور عربوں کا سال محرم سے شروع ہوتا تھا، اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مشورے سے محرم سے اسلامی سال کا آغاز ہوا اور یکم محرم الحرام 1 ہجری مطابق 16 جولائی 622ء ہوئی۔

16 جولائی 5335 جولین' 3 آب 4382، 26 ساون 679 ست بروشہ کو ہجری تقویم کا باقاعدہ آغاز قرار دیا گیا (۶۷)۔ ہجری تقویم کا باقاعدہ آغاز اور پہلی مرتبہ استعمال عہد فاروقی میں 30 جمادی الاخریٰ 17ھ مطابق 12 جولائی 638ء بروز اتوار کو ہوا۔ (۶۸)

﴿واللہ اعلم بصواب وعلمہ اکمل واتم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین﴾

﴿حوالہ جات﴾

۳۹) شبلی نعمانی ﴿الفاروق﴾ ص:۲۶۰

۴۰) ابن ہشام ﴿السیرۃ النبویۃ﴾ دارالمعرفہ بیروت' ج:۲' ص:۱۸۷

۴۱) ﴿شامی﴾ ص:۳۸/ ﴿زرقانی﴾ ص:۳۵۲

۴۲) ﴿شامی﴾ ص:۳۷

۴۳) ابن حجر ﴿فتح الباری﴾ ج:۷' ص:۲۷۲ ﴿الاعلان﴾ ص:۱۷۲

۴۴) قاضی محمد سلیمان منصور پوری ﴿رحمۃ للعالمین﴾ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور/ ﴿الاعلان﴾ ص:۱۷۲

۴۵) ابن کثیر ﴿البدایہ والنہایہ﴾ ج:۳' ص:۲۱۷

۴۶) ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی ﴿روح المعانی﴾ داراحیاء التراث العربی' ج:۳۰' ص:۱۱۹

۴۷) قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی ﴿تفسیر مظھری﴾ اشاعت العلوم دہلی' ج:۱۰' ص:۲۵۳

۴۸) عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلی ﴿الروض الانف﴾ دارالمعرفہ بیروت' ج:۲' ص:۲۴۶

۴۹) ابن حجر ﴿فتح الباری﴾ ج:۷' ص:۳۳۱

۵۰) ﴿زرقانی﴾ ج:۱' ص:۳۵۲

۵۱) سید فضل الرحمٰن ﴿ھادی اعظم ﷺ﴾ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی' ج:۱' ص:۳۲۲۔۳۲۳

۵۲) ﴿الاعلان﴾ ص:۱۷۳

۵۳) پروفیسر ظفر احمد ﴿السیرۃ النبویہ﴾ ششماہی السیرۃ کراچی' شمارہ:۱' جون 1999ء' ص:۱۶۹

۵۴) سلیمان منصور پوری ﴿رحمۃ للعالمین﴾ ج:۲' ص:۳۵۱

۵۵) ابوالکلام آزاد ﴿رسول رحمت﴾ ص:۲۰۷

۵۶) ﴿رحمۃ للعالمین﴾ ص:۳۵۱

۵۷) پروفیسر ظفر احمد ﴿السیرۃ﴾ شمارہ:۱' ص:۱۶۹

۵۸) ایضاً ۵۹) ایضاً' ص:۱۷۵

۶۰) الکتانی ﴿التراتب الادریہ﴾ ص:۱۸۱

۶۱) Jounal of islamic studies karachi university, p:12

۶۲) ڈاکٹر حمید اللہ ﴿الوثائق السیاسیہ﴾ ص:۱۶۵تا۱۸۰

۶۳) ابن حجر ﴿فتح الباری﴾ ج:۷' ص:۳۳۲/ ﴿الاعلان﴾' ص:۱۶۹

۶۴) ﴿التراتب الادریہ﴾ ص:۱۸۱

۶۵) ﴿الاعلان﴾ ص:۱۷۳

۶۶) ابن حجر ﴿فتح الباری﴾ ص:۳۳۱۔۳۳۲/ ﴿شامی﴾ ص:۴۳۷۔۴۳۸

۶۷) ﴿اردو دائرہ معارف اسلامیہ﴾ ج:۲۳' ص:۱۳۳

۶۸) ﴿رحمۃ للعالمین﴾ ج:۲' ص:۳۵۱/ ایضاً

❀❀❀❀❀❀❀

بزمِ اطفال

● کیا نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد کسی کے دعویٰ نبوت کے متعلق خبر دی ہے؟

☆ جی ہاں! حدیث شریف میں واضح الفاظ میں نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد تیس (30) ایسے افراد کی خبر دی ہے جو دعویٰ نبوت کریں گے۔

● نبی کریم ﷺ نے ان مدعیان نبوت کے متعلق کیا فیصلہ صادر فرمایا ہے؟

☆ نبی کریم ﷺ نے واشگاف الفاظ میں فرمایا ہے کہ وہ (مدعیان نبوت) جھوٹے ہوں گے۔

● کیا نبی کریم ﷺ نے مدعیان نبوت کی سرکوبی بھی فرمائی ہے؟

☆ جی بالکل! نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں مدعی نبوت اسود عنسی کو واصل جہنم کیا گیا اور دوسرے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے خود نبی کریم ﷺ نے لشکر روانہ فرمایا تھا۔

● نبوت کا دعویٰ کرنے والے افراد کی تعداد تیس (30) بیان کی گئی ہے' کیا یہ تعداد حتمی ہے؟

☆ یوں تو گرے پڑے کئی بدبخت نبوت کا دعویٰ کریں گے لیکن ان میں سے 30 وہ ہوں گے جن کا فتنہ اور ناپاک وجود امت مسلمہ کو پریشان کرے گا۔ امام ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری میں امام بیہقی سے ایک روایت ذکر کی ہے جس میں 70 مدعیان نبوت کا ذکر ہے۔ بہر کیف ان میں سے 30 امت مسلمہ کو پریشان کریں گے اور باقی اپنی موت آپ مر جائیں گے۔

● کیا فتنہ قادیانیت کی جڑ مرزا قادیانی بھی ان 30 ملعونوں میں شامل ہے؟

☆ دجال قادیاں مرزا قادیانی کے عقائد ونظریات' امت مسلمہ میں انتشار وافتراق اور کفر وارتداد پھیلانے کا باعث بنے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ملعون فتنے نے ایک صدی سے امت مسلمہ کے ناک میں دم کر رکھا ہے لہٰذا مرزا دجال بھی ان 30 ملعون جھوٹوں میں سے ہی ہے۔ اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب سے مسیلمہ پنجاب مرزا غلام قادیانی تک تقریباً 40 بدبخت افراد نے دعویٰ نبوت کیا ہے جبکہ خود مرزا دجال کے ماننے والوں میں تقریباً 16 ملعون مرزائی / قادیانی دعویٰ نبوت کر چکے ہیں۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀ ❀

قائد اہلِ سنّت : حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی

اور

مجاہد تحریکِ ختمِ نبوت : حضرت مولانا صوفی ایاز خان نیازی

کی قائم کردہ مجاہدین ختم نبوت پر مشتمل تنظیم

فدایانِ ختمِ نبوت پاکستان

اشاعتِ اسلام خصوصاً تحفظ ختم نبوت کے لیے میدان عمل میں ہے۔ 1973ء میں قائم کردہ ''تنظیم فدایانِ ختم نبوت'' کی 1995ء میں ''تحریک فدایان ختم نبوت'' کے نام سے تنظیم نو کی گئی۔ 2000ء میں ''تحریک فدایان ختم نبوت'' اور ''تحریک تحفظ ختم نبوت'' کو ختم کر کے موجودہ ''فدایان ختم نبوت'' کی بنیاد رکھی گئی۔

اس وقت فدایانِ ختم نبوت' پاکستان کے مرکزی امیر' شیخ الحدیث حضرت علامہ حافظ خادم حسین رضوی اور مرکزی ناظم اعلیٰ' خطیبِ پاکستان حضرت مولانا خان محمد قادری ہیں۔ ان حضرات کی باعلم وعمل اور متحرک قیادت نے فدایان ختم نبوت کو مقام ختم نبوت کے تحفظ کے لیے بہت جلد اہلسنت وجماعت کی مستند اور نمائندہ تنظیم بنایا ہے۔

فدایانِ ختم نبوت کے جملہ عہدیداران کی جانب سے تمام مومنین کو اس قافلہ عشق ومستی میں شمولیت کی دعوت ہے کہ آئیں اور اہلسنت کی چنیدہ وباعمل قیادت کے ساتھ تحفظ ختم نبوت کا علم تھام کر نبی آخر الزمان ﷺ کی بارگاہ اقدس میں سرخرو ہو جائیں۔

جنوری 2010ء سے

فدایانِ ختمِ نبوت پاکستان کے ترجمان

کی نئی ممبرشپ کا آغاز ہو گیا ہے

ممبرشپ حاصل کرنے کے لیے زرِ سالانہ 300 روپے

مع نام ایڈریس اور موبائل نمبر جمع کروائیں

جامع مسجد رحمۃ للعالمین

مدینہ کالونی ملتان روڈ، نزد گرینڈ بیٹری سٹاپ متصل شیل پٹرول پمپ، لاہور

معلومات: 0321-4370406/0314-4250505